تحقیقات

محمد نسیم الدین فریس

تحقیقات

دکنی شعر و ادب پر تحقیقی مضامین

مصنفہ



محمد نسیم الدین فریس

خوش نویس — محمد رفیع الدین قاسمی

سرورق —— سلام خوشنویس

تعداد —— ۵۰۰ پانچ سو

طباعت —— اعجاز پریس چھتہ بازار حیدرآباد

اشاعت —— ۱۹۹۲ء

قیمت —— ۵۰ روپئے

ناشر —— محمد نسیم الدین فریس

ملنے کا پتہ (۱) مکان مصنف 11.4.614/5 بازار گھاٹ حیدرآباد

(۲) حسامی بک ڈپو چار کمان حیدرآباد

(۳) مکتبہ شادات ریڈ ہلز حیدرآباد

(۴) انجمن ترقی اردو۔ اردو ہال، حمایت نگر حیدرآباد

یہ کتاب اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوئی

انتساب

میں اپنی اس اولین تصنیف کو

اپنے والد

مولوی محمد قمر الدین صاحب مرحوم

[سابقہ زمیندار کوڑنگل ضلع محبوب نگر اے پی]

کے نام معنون کرتا ہوں

نام	محمد نسیم الدین فریس ریسرچ اسکالر (حیدرآباد یونیورسٹی)
پیدائش	یکم جنوری ۱۹۵۷ء
ولدیت	محمد قمرالدین صاحب مرحوم
تعلیم	ایم۔اے (عثمانیہ) گولڈ میڈلسٹ
	ایم فل (حیدرآباد یونیورسٹی)
پیشہ	درس و تدریس
مصروفیت	تصنیف و تالیف
زیر طباعت تالیف	(۱) تحقیقی زاویے
	(۲) نقد و نظر
غیر مطبوعہ	(۱) موجِ نسیم (شعری مجموعہ)
	(۲) دکن کی مخصوص صوفیانہ شعری اصناف

عناوین

		صفحہ
۱:	پیش لفظ ڈاکٹر محمد علی اثر	۶
۲:	عرض حال	۱۲
۳:	فن ترقیم میں غواصی کی ایک غزل	۱۵
۴:	دکنی چکی ناموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	۲۶
۵:	دکنی شاعری میں سی حرفی کی روایت	۶۸
۶:	دکنی ادب کی چند متروک اصناف	۹۵
۷:	ایک نایاب چرخہ نامہ	۱۲۶
۸:	حضرت شاہ علی جیو گام دھنی اور انکی جکریاں	۱۳۰

پیش لفظ

ڈاکٹر محمد علی اثر ——— ریڈر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

محمد نسیم الدین فریس میرے عزیز ترین اور قابل فخر شاگردوں میں سے ہیں۔ انھوں نے ۱۹۸۲ء میں جامعہ عثمانیہ کے پوسٹ گریجویٹ کالج سے ایم اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا تھا اور ساری جامعہ میں سب سے زیادہ نشانات حاصل کرنے کی وجہ سے انھیں ایک سے زائد طلائی تمغوں کا مستحق قرار دیا گیا۔ فریس صاحب مجھے اس لیے بھی عزیز ہیں کہ میری طرح انھیں بھی دکنی زبان و ادب سے خصوصی شغف ہے۔ موجودہ زمانے میں قدیم ترین دکنی آثار ادبی ——— افادیت اور اہمیت کے باوجود اپنی قدامت اور زبان کی نامانوسیت کے سبب نئی نسل کے طلباء کے لیے باعث کشش نہیں۔

اس لحاظ سے بھی محمد نسیم الدین فریس کا دکنی زبان و ادب سے دلچسپی لینا ایک خوش آئند بات ہے۔ انھوں نے نہ صرف ایم۔ اے کے دوران دکنی ادب کا مطالعہ ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے کیا تھا بلکہ ایم۔ فل۔ اور

پی ایچ ڈی کی تحقیق کے لیے بھی دکنی شعر وادب کو موضوع بنایا "ایم فل کا مقالہ" دکنی ادب کی مخصوص صوفیانہ شعری اصناف " انھوں نے پروفیسر گیان چند جیسے یگانۂ روزگار محقق کی رہنمائی میں قلمبند کیا تھا۔ اب وہ پروفیسر ثمینہ شوکت کی نگرانی میں "اٹھارہویں صدی کی دکنی شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ" کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی تحقیق میں مصروف ہیں۔

نسیم الدین فریس حیدرآباد کے جواں سال ادیب اور خوش گو شاعر ہی نہیں بلکہ دکنی اردو کے بہترین محقق بھی ہیں۔ دکنی اور دکنیات سے متعلق ان کے متعدد تحقیقی وتنقیدی مضامین ہندوپاک کے موقر ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ انھوں نے متعدد کتابوں کے پر مغز مقدمے اور تعارف نامے بھی تحریر کیے ہیں۔

پیش نظر کتاب "تحقیقات" فریس صاحب کے دکنی ادب سے متعلق بیچھے مبسوط مقالوں کا مجموعہ ہے۔ پہلا مضمون "فن ترقیمہ میں غواصی کی ایک غزل" ہے۔ ملک الشعراء غواصی دبستان دکن کا ایک باکمال سخنور ہے اگرچہ اس نے تمام اصناف شعر کو اپنی طبع کا موضوع بنایا لیکن بنیادی طور پر وہ ایک غزل گو شاعر ہے۔ اسی صنف سخن میں اس کی فن کارانہ صلاحیتوں کے جوہر کھلتے ہیں۔ غواصی کے قلمی دیوان کا واحد نسخہ اورنٹیل مینوسکرپٹ لائبریری

کی زینت ہے۔ محمد بن عمر کا مرتبہ "دیوان غواصی" زور صاحب کے مقدمے کے ساتھ ۱۹۵۹ء میں ادارہ ادبیات کی جانب سے شائع ہوا تھا۔ یہ دیوان دراصل غواصی کی غزلوں کا ایک انتخاب ہے۔ محمد بن عمر اور ڈاکٹر زور صاحب کے لیئے اس دیوان کی ایک غزل معمہ بنی رہی شاید اسی لیئے کسی نے بھی اس غزل کے متعلق کوئی صراحت نہیں کی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ نسیم الدین فریس صاحب کی دوربین نظر نے نہ صرف اس غزل کے متن کی تشکیل جدید کی بلکہ اسے ایک بامعنی غزل بھی بنادیا۔ متذکرہ غزل کلیات غواصی مرتبہ محمد بن عمر کے ص ۱۴۸ پر موجود ہے محمد بن عمر صاحب سے اس غزل کے مطلع کے مصرع اول اور مقطع کے مصرعہ ثانی کو کھولنے میں سہوا ہوا۔ مطلع یہ ہے۔

سدا اس دونوا [ں] تین ہور بیس میں دولت بو بس منج کوں

جو ہیں چالیس ہور دو چار ستر تیس دس منج کوں

پہلے مصرع میں عمر صاحب نے تین کو تیس پڑھا ہے، تیس کا عدد ل کی قیمت ہے جس سے لگ بنتا ہے جو مہمل ہے۔ جبکہ تین کے عدد "ج" سے ایک بامعنی لفظ "جگ" (جہاں) برآمد ہوتا ہے۔ اسی طرح مقطع کا قافیہ محمد بن عمر صاحب نے "پرس" لکھا ہے حالانکہ یہاں "برس" ہونا چاہیے جو اس غزل کا سال تصنیف بھی ہے۔ (۱۰۳۷ھ) بہرحال اس غزل سے غواصی کے کمال اور

محمد نسیم الدین کی دقت نظر دونوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے؛ دوسرا مضمون۔ دکنی چکی ناموں کے تحقیقی مطالعہ سے متعلق ہے۔ لسانیاتی نقطہ نظر سے چکی کے گیت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان میں عورتوں کی بول چال روزمرہ اور محاورہ محفوظ ہوگیا ہے۔ قدیم زمانے میں یہی گیت عورتوں کی تعلیم اور تربیت کا بہترین ذریعہ تھے۔ صوفی شاعروں نے انھیں گیتوں کی مدد سے طبقہ نسواں کو مذہب و اخلاق اور پند و موعظت کے زیور سے مالامال کیا ہے۔ اس مضمون میں قریش صاحب نے پہلے چکی کے گیتوں کی وجہ تسمیہ سے بحث کی ہے۔ اور پھر دکنی کے چند معروف اور مجہول الاسم شاعروں کے چکی ناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ بعض گیتوں کے ایک سے زاید نسخوں کا تقابلی مطالعہ کر کے شاعر کے حقیقی متن تک پہنچنے کی کوشش بھی کی ہے۔

اس مضمون میں چکی ناموں سے متعلق دکنی کے بعض محققین کے تسامحات کی صراحت کے علاوہ قراءت کی غلطیوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اور بعض چکی ناموں کے نو دریافت نسخوں کی نشاندہی بھی۔

تیسرے مضمون کا عنوان "دکنی شاعری میں سی حرفی کی روایت" ہے جس میں قدیم دکنی شاعری کی ایک مقبول صنف سی حرفی کا سیر حاصل جائزہ لیا گیا ہے۔ سی حرفی کا شمار اب متروک اصناف سخن میں ہوتا ہے

لیکن گیارہویں صدی ہجری میں سی حرفی صوفیا کے مسائل کی تفہیم و تدریس کا بہترین ذریعہ تھی۔ محمد نسیم الدین اپنے اس مضمون میں بعض مفروضوں کی نفی کرتے ہوئے اطلاع دیتے ہیں کہ سی حرفی نہ صرف دکنی یا پنجابی کی مخصوص صنف شعر ہے بلکہ اس کے ابتدائی نمونے قدیم عبرانی اور عربی شاعری میں بھی ملتے ہیں۔ اس مضمون میں برہان الدین جانم۔ شاہ معظم۔ شاہ سلطان۔ شاہ تراب۔ شاہ کمال۔ شاہ من عرف میرن سبزواری۔ فرید اور برکت کی سی حرفیوں کے علاوہ چند غیر معروف شعراء کی سی حرفیاں بھی زیر بحث آئی ہیں۔ اس مضمون میں محمد نسیم الدین نے سی حرفی کی روایت کا ایک بھرپور اور سیر حاصل جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ اس موضوع پر فریس صاحب کے پیش نظر مضمون سے پہلے مولوی افسر صدیقی امروہوی کے مضمون "سی حرفی معظم" (رسالہ اردو ۱۹۶۶ء) کے علاوہ کوئی اور مضمون نہیں ملتا۔ اس مضمون میں شامل شاہ سلطان۔ شاہ من عرف۔ میرن سبزواری۔ فرید اور برکت کی سی حرفیاں نسیم الدین صاحب کی دریافت ہیں۔

"دکنی تحقیقات" کا چوتھا مضمون دکن کی چند متروک اصناف کے بارے میں ہے۔ اس مضمون میں محمد نسیم الدین نے قدیم دکنی نظم و نثر کی تین غیر معروف اور متروک اصناف برہنی۔ چارکرسی اور کھماڑا پر روشنی ڈالی ہے۔ اس مضمون

کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں متذکرہ اصناف کا بحیثیت صنف پہلی بار تعین کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے دکنی ادب کی اصناف کی فہرست میں اضافہ ہوتا ہے۔ محمد نسیم الدین نے ہر صنف کی روایت کا زمانی ترتیب کے لحاظ سے تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ پانچواں مضمون ایک چرخہ نامہ کا تعارف ہے۔ اس کتاب کا آخری مضمون " حضرت شاہ علی جیو گام دھنی اور ان کی جکریاں " ہے۔ اس میں محمد نسیم الدین نے جکری کی وجہ تسمیہ کو زیر بحث لایا ہے اور بعض معروف محققین کے خیالات سے مدلل طور پر اختلاف کرتے ہوئے اس صنف سخن کو نئی معنویت عطا کی ہے۔ اس مضمون میں شاہ جیو کے دیوان کے نسخہ آصفیہ سے چند جکریوں کو پہلی بار منظر عام پر لایا گیا ہے۔ مضمون کے آخر میں محمد نسیم الدین نے محققین کی سہولت کے پیش نظر شاہ علی جیو گام دھنی کے قلمی دواوین کی ایک فہرست بھی دی ہے۔ جس میں عثمانیہ یونیورسٹی آف حیدرآباد کے قلمی نسخے کا پہلی بار تذکرہ ہوا ہے۔

میں محمد نسیم الدین فریس کو ان کی پہلی کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی اپنے تحقیقی کام کو جاری رکھیں گے۔

ان کی کتابیں یکے بعد دیگرے منظر عام پر آتی رہیں۔

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

عرضِ حال

"تحقیقات" میرے چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ سارے مضامین دکنی شعرو ادب کے تحقیقی و تنقیدی مطالعہ پر مبنی ہیں اس لئے موضوعات کے تنوع کے باوجود اس کتاب میں قارئین کو ایک داخلی وحدت کا احساس ہوگا ان میں بعض مضامین مطبوعہ ہیں جن کی صراحت مضمون کے آخر میں درج ہے۔ اور بعض خاص اسی مجموعے کے لئے ضبطِ قلم کئے گئے ہیں۔ مواد کی فراہمی کے لئے میں نے تابحدِ امکان اصل ماخذ سے رجوع ہونے کی کوشش کی ہے صرف ناگزیر صورتوں میں ثانوی ماخذ پر اکتفا کیا ہے۔ کتابت کے بعد جو مواد دستیاب ہوا ہے۔ اسے پس نوشت کے تحت درج کیا ہے۔

تحقیقات" میری اولین تصنیف ہے اس لئے اس کی پیش کشی کے موقعہ پر میں ان ہستیوں کی خدمت میں خراجِ تشکر گزارنا چاہتا ہوں۔ جن کا میں احسان مند ہوں۔ سب سے پہلے میں اپنے برادران گرامی قدر جناب محمد شمیم الدین صاحب زید مجدہٗ اور جناب محمد فہیم الدین صاحب زیدہ مجدہٗ کی خدمت میں صمیم قلب سے امتنان و تشکر کا اظہار کرتا ہوں جن کی بے پایاں محبت اور بے دریغ کفالت کے سبب میں فراغت اور یکسوئی کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل

کر سکا۔ میں اپنے تمام اساتذہ کرام کا ممنون عنایت ہوں جن کے خوانِ علم سے میں نے زلّہ ربائی کی ہے۔ میں اپنے خسر محترم مولوی شیخ رسول صاحب مدظلہ منتظم محکمہ تعلیمات (موظف) کا بھی ممنون ہوں جن کی تحریک، حوصلہ افزائی اور تعاون سے میں نے ایم۔فل میں داخلہ لیا اور امتیازی کامیابی حاصل کی۔ رفیقِ دیرینہ ڈاکٹر سید عباس متقی کا بے نہایت شکر گذار ہوں کہ انہی کی تشویق تحریص اور تنبیہ پر میں نے یہ مجموعہ مرتب کیا اور انہی کی ترغیب و اصرار پر اردو اکیڈیمی میں امداد کے لئے داخل کیا۔ اس کتابت کی طباعت کے ہر مرحلے میں وہ میرے شریک و سہیم رہے ہیں۔ دکنی کے ممتاز محقق استاذی ڈاکٹر محمد علی اثر ریڈر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کا نہایت درجہ سپاس گذار ہوں جنھوں نے نہ صرف راہِ تحقیق میں میری رہنمائی کی بلکہ اس کتاب کے لئے ایک عالمانہ پیش لفظ بھی رقم فرمایا۔ استاذی ڈاکٹر محمد انوار الدین ریڈر شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی کا بھی ممنون کرم ہوں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے دامے درمے قدمے سخنے تعاون فرمایا۔ برعظیم ہند و پاک کے مایہ ناز خطاط "رئیس القلم" جناب محمد عبدالسلام خوشنویس میرے ساتھ خاص لطف و التفات رکھتے ہیں۔ انھوں نے کسی معاوضے کے بغیر اپنے ضروری کام معطل و موخر کر کے اس کتاب کا دیدہ زیب ٹائیٹل تیار کیا۔ فن کی دلبری کے ساتھ

مزاج کی اس قلندری نے ایک زمانے کو ان کا گرویدہ کیا ہے۔ میں ان کے لئے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔ بزرگ دوست مشفق شاعر و ادیب جناب ریاست علی تاج کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں میرے ذوق کے پیش نظر اپنے کتب خانہ کی بعض نادر و نایاب کتب مجھے تحفہ دیں۔ میں اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے اعیان و اساطین کے تئیں بھی اعتراف ممنونیت کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے مالی امداد منظور کی۔

آخر میں مولانا محمد فصیح الدین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے سواد قلم کی کرشمہ سازیاں اس کتاب کی سطر سطر سے عیاں ہیں۔

محمد نسیم الدین فریس
5/614 - 4 - 11 بازار گارڈ
حیدرآباد اے پی

م ۱۷ر ڈسمبر ۱۹۹۳ء

فن ترقیم میں غواصی کی ایک غزل

(پہلا معلوم نمونہ)

صنائع و بدائع کے استعمال سے کلام کے حسن۔ لطف اور تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس کے مفہوم میں وسعت اور معنی میں تنوع گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ ان سے شاعر کی قادرالکلامی۔ ذہانت و جودت اور علم و سلیقہ کا اظہار ہوتا ہے۔ شعرائے قدیم میں کلام کو لفظی و معنوی صنعتوں سے مرصع و مزین کرنے کا ملکہ اور وطیرہ پایا جاتا تھا۔ اردو کے دکنی دور ہی سے فارسی کی اصناف سخن کے ساتھ فارسی شاعری میں مروج صنائع و بدائع کو بھی اخذ کیا گیا راقم الحروف کو اپنی تحقیق کے دوران دبستان گولکنڈہ کے مشہور شاعر ملا غواصی کی ایک ایسی غزل دستیاب ہوئی ہے جو ایک عجیب و غریب صنعت میں لکھی گئی ہے۔ جس کا تعلق فن جمل سے ہے۔ غزل کے تعارف اور اس صنعت

کی وضاحت سے پیشتر مختصراً غواصی سے حالات بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے

ملک الشعراء ملا غواصی دبستان گولکنڈہ کا ایک عظیم المرتبت شاعر گزرا ہے۔ آج سے کوئی ساڑھے تین یا پونے چار سو سال قبل وہ حیدرآباد میں اُردو شاعری کا استاذ الاساتذہ تھا۔ دکنی زبان میں لکھی ہوئی اس کی مثنویاں قصیدے۔ مرثیے۔ غزلیات اور دیگر اصناف اس کی استادی اور شاعرانہ کمال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ لیکن افسوس کہ بیشتر دکنی شعراء کی طرح غواصی کے حالات بھی پردہ خفا میں ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا سن پیدائش اور سن وفات بھی نامعلوم ہے۔ البتہ اس کے کلام کی داخلی شہادتوں اور بعض تواریخ و تذکروں سے اس کی زندگی کے بعض واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ قیاس ہے کہ غواصی سلطان ابراہیم قطب شاہ کے عہد ۱۵۵۰ء تا ۱۵۸۰ء میں پیدا ہوا۔ محمد قلی قطب شاہ بانی شہر حیدرآباد کے عہد ۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۱ء میں وہ عنفوان شباب میں تھا۔ لیکن شاعری میں کمال حاصل کر چکا تھا۔ یہ عمر میں محمد قلی کے ملک الشعراء ملا وجہی سے چھوٹا تھا۔ وجہی نے اپنی مشہور مثنوی قطب مشتری مصنفہ ۱۰۱۸ء میں غواصی پر چوٹیں کسی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد میں غواصی کا کمال فن اور اس کی شاعری کی اٹھان اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ وجہی جیسے کہنہ مشق اور تجربہ کار استاد کو بھی اس سے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ غواصی کی ابتدائی زندگی غربت و افلاس کی تذر رہی

میر سعادت علی رضوی مرتب "طوطی نامہ" نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ شاہی سرپرستی میں آنے سے قبل غواصی ایک سرکاری ملازم تھا۔ ع۱ شاہی دربار میں رسائی کے بعد اسے بڑی شان و شوکت نصیب ہوئی اس کے کلام میں اس کی ابتدائی زبوں حالی اور مابعد مرفعہ الحالی کے اشارے ملتے ہیں۔ غواصی نے اپنے کلام میں کہیں بھی اپنے استاد سخن کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی کسی پیشرو یا ہم عصر شاعر کی استادی کو تسلیم کیا ہے۔ بدیں وجہ ڈاکٹر محمد علی اثر "مصنف" غواصی فن اور شخصیت۔" نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ شاعری میں کسی کا شاگرد نہیں تھا ع۲ غواصی کے دیوان میں محمد قلی کی غزلوں کی طرح میں لکھی ہوئی غزلیں ملتی ہیں جو قرینہ ہیں اس بات کا کہ غواصی کو محمد قلی کے دربار میں توسل حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ اور وہ شاہی کفالت اور قدر دانی سے مایوس بھی ہو چلا تھا تبھی تو اس نے بادشاہ کی غزلوں کا جواب لکھا۔ سلطان محمد قلی کے بعد اس کا بھتیجہ داماد محمد قطب شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے دور حکومت، ۱۶۱۱ء تا ۱۶۲۵ء میں اردو شاعروں کی کوئی خاص سرپرستی نہیں کی گئی۔ کیوں کہ اس کو مذہب اور فلسفے سے رغبت تھی۔ غواصی نے اپنی شہرۂ آفاق مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال "اسی بادشاہ کے دور میں صرف (۳۰) دنوں میں تصنیف کی لیکن بادشاہ کے مزاج کو دیکھتے ہوئے

یا غالباً اس کی اچانک موت کے سبب وہ اسے دربار میں پیش نہیں کر سکا اس کے بعد جب سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۵ء تا ۱۶۷۲ء) نے تخت سلطنت پر جلوس کیا تو غواصی کے بخت خفتہ بیدار ہوئے اس نے مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" کے مدحیہ اشعار میں محمد قطب شاہ کے بجائے عبداللہ قطب شاہ کا نام داخل کیا اور اس مثنوی کو دربار میں پیش کر کے سلطان کی خوشنودی اور ملک الشعراء کا اعزاز حاصل کیا۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دور میں غواصی کا طوطی بولتا تھا وجہی کی شاعری ماند پڑ چکی تھی چنانچہ غواصی کے غیاب میں بادشاہ اسے طلب بھی کرتا ہے تو اس سے کسی مثنوی یا شعری تخلیق کی نہیں بلکہ نثری کتاب کی فرمائش کرتا ہے۔ اسی طرح اس دور کا مورخ ملا نظام الدین احمد "حدیقۃ السلاطین" میں غواصی کو "ملا غواصی کہ در شعر دکنی از مثال خود ممتاز است" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ اور وجہی کے تعلق سے صرف "ملا وجہی شاعر دکنی" لکھا ہے۔ ص ۳ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بحیثیت شاعر وجہی پس منظر میں جا چکا تھا۔ اور بحر سخن میں صرف غواصی کا سفینہ رواں تھا۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں غواصی کی

شہرت۔ مقبولیت۔ اثر و رسوخ اور دولت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ بادشاہ نے اسے فصاحت آثار کا خطاب اور جاگیر میں ایک گاؤں عطا کیا تھا۔ بادشاہ کے خاص مقربین میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ ۱۰۴۵ ہجری میں سلطان محمد عادل بادشاہ والی بیجاپور نے ملک خوشنود کو اپنا سفیر بنا کر گولکنڈہ بھیجا تو عبداللہ قطب شاہ کو بھی جواب میں اس کے یہاں سفارت بھیجنے کی ضرورت درپیش ہوئی۔ اس اہم ترین کام کے لیے بادشاہ کی نظر انتخاب غواصی پر پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ حیدرآباد کے سفیر کی حیثیت سے تزک و احتشام کے ساتھ بیجاپور پہنچا اور شاہانہ تحائف و انعامات لے کر وطن لوٹا۔

بیجاپور میں غواصی نے اپنے علم و ذہانت۔ شاعرانہ صلاحیت اور کمال فن سے وہاں کے علمی و ادبی حلقوں کو از حد متاثر کیا۔ چنانچہ بیجاپور کے شعراء نصرتی اور مقیمی نے اپنی مثنویوں میں غواصی کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ غواصی کی تصانیف میں تین مثنویاں اور ایک دیوان معلوم و تحقیق ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل میں درج ہے۔

(۱) مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال

(۲) مثنوی طوطی نامہ

(۳) مثنوی مینا ستونتی (۴) دیوان

دیوان غواصی کا ایک نادر و نایاب مخطوطہ اور نیٹل مینو سکرپٹ

لائبریری (حیدرآباد) میں مخزونہ ہے۔ یہ ساری دنیا میں غواصی کے دیوان کا واحد معلوم نسخہ ہے۔ اس میں غزلیات کے علاوہ قصائد اور مثنویات بھی شامل ہیں۔ اسی مخطوطے کے ورق ۷۶ پر زیر بحث غزل مرقوم ہے۔ جس میں غواصی نے اپنے زور بیان قدرت اظہار ذہانت اور طباعی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس غزل میں اس نے الفاظ کے بجائے اعداد استعمال کیے ہیں۔ اور نہایت سلیقے اور ہنر مندی کے ساتھ فن جمل کے اصولوں کو بروئے کار لایا ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ فن جمل میں حروف تہجی کو اعداد کے مقابلے میں قائم کرتے ہیں۔ جیسے الف مساوی قرار دیا جائے ایک کا یا "ب" کو مساوی قرار دیا جائے دو کا

ذیل کی جدول میں حروف تہجی اور ان کی مقررہ قیمتیں ظاہر کی گئی ہیں۔

ا	ب پ	ج چ	د	ھ	و	ز ژ	ح	ط	ی
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰
ک گ	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر ڑ
۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰
	ش	ت ٹ	ث	خ	ذ ڈ	ض	ظ	غ	
	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰	

حروف تہجی کی اس ترتیب کو نظام ابجد بھی کہتے ہیں۔

اس فن لطیف سے اہل جمل نے دو طرح کا کام لیا ہے (۱) ہندسوں کا کام حروف سے (۲) حروف کا کام ہندسوں سے۔ الفاظ سے اعداد کا کام لینا "تاریخ" اور اعداد سے الفاظ کا کام لینا "ترقیم" کہلاتا ہے۔ تاریخ گوئی میں الفاظ مشعر عدد یا عدد کی نشان دہی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ترقیم میں ہندسے اور اعداد حروف کے مشعر ہوتے ہیں۔ سنسکرت زبان میں ترقیم کا بہت رواج تھا۔ زمانہ قدیم میں عربوں اور عجمیوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا۔

غواصی نے پیش نظر غزل میں اصول ترقیم کا اطلاق کیا ہے اس نے نہایت موزونیت کے ساتھ اس کے اشعار میں الفاظ کے بجائے ہندسے اور اعداد استعمال کیے ہیں۔ اس نے قیمتیں ظاہر کی ہیں اور حروف مخفی رکھے ہیں۔ بہ ظاہر یہ غزل مہمل اور بے معنی لگتی ہے۔ مگر جب اس میں ہندسوں کے مقام پر متعلقہ حروف رکھے جاتے ہیں تو مطلوبہ الفاظ برآمد ہوتے ہیں۔ اور غزل کی معنویت عیاں ہوتی ہے۔ ذیل میں غواصی کی یہ نادرہ کار غزل تشریح اور وضاحت کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

سدا اس دونوں ۲ تین ۳ ہور بیس میں دولت یو بس منج کوں ۔ ج + گ = جگ

سدا ان دونوں ؏ تین ہور تیس میں دولت یو بس منج کوں = ج + گ = جگ

جو ہیں چالیس ہور دو دو چار[۱] ۔ ستر تیس دس منج کوں = م + د + د = مدد

ع + ل + ی = علی :

ستر ہور تیس دس کا دھیان چار ہور تیس میں میرے = ع + ل + ی = علی

علی کے د + ل = دل

نو د ہور چار یک سو سوں لگایا کر ہے جس منج کوں = ص + د + ق = صدق

جدھر دیکھو پچاس ہور دس ہور پچاس ہیں من رے = ن + ی + ن = نین یعنی آنکھ

ستر ہور تیس دس کا نور دستا ہے سرس منج کوں = ع + ل + ی = علی

فدا ہے تین دس ہور چھ ستر ہور تیس دس پر تھے = ج + ی + و = جیو یعنی دل

کہ ستر تیس ہور دس تھے ہے جم عشرت اس منج کون = ع + ل + ی + علی

سدا اس سو ہور نو ہور دو ۔ ستر ہور تیس دس کا سو = ق + ط + ب = قطب[۲]

---

[۱] دو چار کا مطلب دو اور چار نہیں بلکہ دو مرتبہ چار سمجھنا چاہیئے۔

[۲] قطب سے مراد سلطان عبداللہ قطب شاہ ہے۔

دعا ہے جو کر جگ میں خوشیاں سوں لک برس منج کوں
(۱۰۰۰) سہس ہور سات ہور تیس اے غواصی تو کھیا ہے سو

غ + ز + ل = غزلی

سراسر دیکھتا ہوں میں نو دستا جوں برس منج کوں۔

غواصی نے اس غزل میں سیدنا علیؓ کی منقبت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دو جگ میں علیؓ کی مدد کافی ہے اور یہی اصل دولت ہے۔ اس نے حضرت علی سے اپنی گہری عقیدت اور وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں صدق دل سے علی کا دھیان کرتا ہوں۔ اور دل کی آنکھ سے ہر طرف علی کا نور دیکھتا ہوں۔ میرا دل علی پر فدا ہے۔ کیوں کہ علی ہی ابدی مسرت ہیں۔ آخری شعر میں اس نے اپنے مربی سلطان عبداللہ قطب شاہ کو دعا دی ہے کہ علی کے فیض سے وہ لاکھ برس خوشیاں منائے۔ مقطع میں غواصی نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔ اور صوری طریقے میں غزل کی تاریخ تصنیف بھی بیان کر دی ہے۔ اس نے یہ غزل ۱۰۴۷ھ میں لکھی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غواصی کو فن جمل اور حروف ابجد سے نظام سے دلچسپی تھی۔ اس کے دیوان کے قلمی نسخے میں ایک نظم بہ عنوان "درمیان حروف ابجد" ملتی ہے۔ جس میں اس نے حروف ابجد سے نہایت

دلچسپ رموز ونکات کا استنباط کیا ہے۔ تاہم یہ نظم سی حرفی کی تعریف میں نہیں آتی۔ افسوس کہ بحالت موجودہ یہ مکمل بھی نہیں۔ اس میں صرف پندرہ شعر ہیں جن میں الف سے ز تک کا بیان ہے مخطوطے میں ان اشعار کے بعد کچھ اوراق مفقود ہیں ورنہ یہ نظم مکمل شکل میں ہمارے سامنے آتی۔ اس کے ابتدائی اور اختتامی ابیات اس طرح ہیں۔

آغاز: ازل تھے ہویدا جیوں ابجد ہوا
اٹھاویس حرفاں کر اسد ہوا
جو اس پاک حرفاں کے میانے تمام
ہے سر حرف ہی حرف عالی مقام

اختتام: رضا جیوں ہوا رکوں اللہ تھے
سو آییا نکل روح کی راہ تھے
کہ زینت بھریا زجو ہے دل فریب
زمین ہور زمانے کوں ہے اس تھے زیب

دکنی ادبیات کے ذخیرے میں اس قسم کی نظمیں عام طور پر ملتی ہیں۔ جن میں حروف ابجد سے ذریعہ صوفیانہ نکات اور عارفانہ مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن غواصی کی اوّل الذکر غزل

اپنی نوع کا واحد نمونہ ہے۔ اور فن ترقیم سے واقفیت کے بغیر اسے سمجھنا دشوار ہے

کتابیات



۱؎ : میر سعادت علی رضوی مرتب طوطی نامہ (مصنفہ غواصی) حیدرآباد ۱۳۵۷ھ مقدمہ ص ۱

۲؎ : ڈاکٹر محمد علی اثر۔ غواصی شخصیت اور فن حیدرآباد ۱۹۷۷ء ص ۴۴

۳؎ : ملا نظام الدین احمد، حدیقۃ السلاطین مرتبہ سید اصغر علی بلگرامی حیدرآباد ۱۹۶۱ء ص ۱۳۰

۴؎ : نواب عزیز جنگ بہادر" غرائب الجمل۔ حیدرآباد ۱۳۳۶ھ

ص ۱۷۲



مطبوعہ روزنامہ منصف حیدرآباد ۱۲ اپریل ۱۹۹۲ء

دکنی چکی ناموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

لوک گیت کسی بھی تہذیب کا بیش بہا سرمایہ ہوتے ہیں ان میں عوامی زندگی کے دل کی دھڑکنیں اور سماجی زندگی کی روح بسی ہوتی ہے۔ شادی بیاہ۔ ولادت و خوشی۔ کھیتوں کو جوتنے بونے اور فصلوں کی سیرابی اور کٹوائی کے موقعوں پر مسرت و انبساط اور کیف و طرب کے اظہار نیز محنت و مشقت کے احساس سے فرار کے لیے گیت گانے کا رواج دنیا کے ہر سماج میں رہا ہے چنانچہ دکن کا سماج بھی اس رواج سے مبرا نہیں ہے۔ لیکن دکنی زبان میں قدیم صوفیاء نے گیتوں کی اس مقبولیت سے دعوت و ارشاد کا کام لیا۔ انھوں نے لوک گیتوں کو اپنے مسلک کی تبلیغ۔ طالبوں کے لیے وعظ و نصیحت اور مردوں اور عورتوں کے لیے اصلاحِ نفس۔ تزکیہ قلب اور تطہیر باطن کا وسیلہ بنایا۔ طبقہ نسواں سے متعلق مخصوص موضوعات پر صوفی شعراء نے جو نظمیں لکھی ہیں ان میں بعض

پڑھنے کے لیے ہیں مثلاً سہاگن نامہ، شادی نامہ، لگن نامہ، ناری نامہ وغیرہ اور بعض گانے کے لیے گیتوں کی شکل میں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً لوری نامہ، چرخہ نامہ، چکی نامہ وغیرہ۔

قدیم دکنی معاشرے میں چکی کے گیتوں کا بہت رواج تھا مشینوں کے عدم ایجاد ہونے کے باعث اس دور کی عورتوں کو روز چکی پیسنی پڑتی اور وہ اس پُرمشقت کام کے بار کو گیتوں کے ذریعہ ہلکا کرتی تھیں۔ صوفیاء نے جو انسانی فطرت کے بڑے گہرے نباض ہوتے ہیں۔ اس رواج سے خوب استفادہ کیا اور نہایت چابکدستی سے چکی کے گیتوں میں تصوف کی تعلیمات سمو دیں۔ تاکہ عورتیں چکی پیستے ہوئے ان گیتوں کو گائیں۔ اور اپنے دل میں خدا کی یاد تازہ کریں۔ اس طرح ان صوفی شعراء نے ان گیتوں کے ذریعہ مذہبی باتوں سے موانست پیدا کروانے کی کوشش کی اور چکی کی تمثیل کے پردے میں مشاہدہ حق کی گفتگو۔ مسائل تصوف کا بیان اور معرفت کے اسرار و غوامض کی تشریح و وضاحت کی۔ قدیم زمانے میں عورتوں میں تعلیم کا رواج نہیں تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا آسان طریقہ یہی ہو سکتا تھا کہ تصوف و سلوک کی تعلیمات کو گیتوں میں ڈھالا جائے۔ یہ گیت بالواسطہ ہدایت و موعظت کا بہترین وسیلہ تھے۔ چکی سے متعلق ان دکنی گیتوں کو چکی نامہ کا نام دیا گیا۔ چکی ناموں کے لیے کوئی مخصوص ہیئت۔ وزن یا بحر مقرر نہیں ہے۔ بلکہ یہ نسوانی گیتوں کے آہنگ میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے اشعار کی تعداد بھی متعین

نہیں ہے۔ دکنی کا سب سے طویل چکی نامہ ایک سو سینتیس [۱۳۷] اشعار پر مشتمل ہے۔

ادبی اعتبار سے دکنی زبان کے ان چکی ناموں کی اہمیت

خواہ نہ ہو لیکن لسانیاتی نقطہ نظر سے ان کی بڑی اہمیت ہے۔ کیوں کہ ان سے اردو زبان کے ارتقار کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ گیت ڈاکٹر زینت ساجدہ کے بقول "زبان کے وہ جزیرے ہیں جن کی بازیافت کے لیے زبان کے کولمبس (ماہرین لسانیات) سرگرداں رہتے ہیں [۱۵]" چوں کہ یہ چکی نامے عورتوں کے لیے لکھے گئے ہیں۔ اس لیے ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں عورتوں کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ دکنی عورتوں کی مخصوص بولی نسوانی روزمرہ اور محاورے کے بہترین ترجمان اور پاسبان ہیں۔ ہر چند کہ اُن صوفیا کے پیش نظر عورتوں کی مروجہ زبان کو محفوظ کرنے کا مقصد نہیں تھا لیکن چکی ناموں کے وسیلے سے ضمنی طور پر یہ عظیم الشان کارنامہ وجود میں آیا۔

علمی اعتبار سے چکی نامے اسرار و معارف کا گنجینہ ہیں

ان میں دکنی زبان اور روزمرہ بول چال میں تصوف کے اعلیٰ ترین مسائل حقائق و دقائق اور صوفیانہ تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔ تہذیبی اعتبار سے یہ چکی نامے قدیم دکنی تہذیب کے زندگی سے بھرپور نمونے ہیں۔ ان میں دکن کی نسوانی تہذیب کے رنگا رنگ مرقعے محفوظ ہیں۔ ان کے ذریعہ اس دور کی عورتوں کے رسم و رواج۔ عقائد و توہمات۔ جذبات و احساسات۔ امنگوں

اور توقعات۔ گھریلو مسائل اور خاندانی رشتوں، ناطوں کے ربط و تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ ان گیتوں سے دکن کی عورتوں کی طرزِ معاشرت۔ رہن سہن۔ طریقہ گفتگو اور سیدھی سادھی زندگی کے خدو خال نمایاں ہوتے ہیں جن سے دکنی کلچر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

دکن میں چکی ناموں کی روایت کا آغاز حضرت گیسو دراز رح سے ہوتا ہے۔ جن معروف صوفی شعراء کے چکی نامے دستیاب ہوئے ہیں ان میں سید میراں ہاشم خداوند ہادی۔ فاروقی شاہ کمال۔ فی الحال شاہ قادری اور باری وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد چکی نامے ایسے بھی ملتے ہیں جن کے مصنف مجہول الاسم ہیں۔ پیش آیند اوراق میں دکن کے ان چکی ناموں کا جائزہ لیا جائے گا۔

چکی نامہ حضرت گیسو دراز رح :

حضرت سید محمد گیسو دراز رح دکنی ادیبوں کے سرخیل متصور کیے جاتے ہیں۔ دکنی زبان میں آپ سے منسوب شکار نامہ کے علاوہ مختلف بیانوں میں آپ کے لکھے ہوئے " حقیقت گیت " بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ آپ نے ایک چکی نامہ بھی قلمبند کیا تھا۔ جسے اردو کا اولین چکی نامہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کا واحد نسخہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو (حیدر آباد) میں مخزونہ ہے اور شاہ صدرالدین کی مثنوی "کسب محویت" کے ساتھ ایک مخطوطے (نمبر ۴۲ / ۱۲۰ ب)

میں مجلد ہے جو ۱۲۲۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ اس کا کاغذ نہایت قدیم اور کرم خوردہ ہے جس کی وجہ سے پاکیزہ خط نستعلیق میں لکھے ہوئے کے باوجود اس چکی نامے کے بیشتر الفاظ ناقابل فہم ہیں۔ زبان کی قدامت اور غرابت بھی مانع قراءت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نصیر الدین ہاشمی نے "دکن میں اردو" ڈاکٹر زور نے "دکن ادب کی تاریخ" اور پروفیسر عبدالقادر سروری نے علی گڑھ تاریخ ادب اردو میں اس نظم کے جو نمونے درج کیے ہیں ان میں قراتوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر نے سید شاہ ابوالحسن قادری کی مثنوی "سکھ انجن" کے مقدمے میں اس چکی نامہ کا ذکر کیا ہے۔ اور حوالے میں "مخطوطہ نمبر ۳۸ تصوف و اخلاق سالار جنگ ع ۲" تحریر کیا ہے۔ یہاں ڈاکٹر صاحبہ سے سہو ہوا ہے۔ محولہ مخطوطہ فی الحال شاہ کا چکی نامہ ہے۔ حضرت گیسو دراز کے چکی نامہ کا تا حال صرف ایک ہی نسخہ دستیاب ہوا ہے جو ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہے۔ آگے انہوں نے اس مخطوطے کے حوالے سے جو اشعار پیش کیے ہیں وہ حضرت گیسو دراز کے چکی نامہ کے نہیں بلکہ فی الحال شاہ ہی کے ہیں۔

ڈاکٹر زور نے "تذکرہ اردو مخطوطات" جلد اول ۳ اور مولوی نصیر الدین ہاشمی نے "دکن میں اردو" میں لکھا ہے کہ "اس نظم میں بارہ بند ہیں۔" اس بارے میں ان محققین سے تسامح ہوا ہے کیوں کہ اس چکی نامہ میں گیارہ بند ہیں۔ ہر بند چار مصرعوں پر مشتمل ہے جن میں ابتدائی مصرع ہم قافیہ ہیں اور

چوتھا مصرع ہر بند میں ٹیپ سے مصرع کے طور پر لایا گیا ہے۔ آخری بند میں آپ کا اسم گرامی "بندہ نواز بندہ حسینی" نظم کیا گیا ہے۔ راقم کے خیال میں نقل در نقل کے دوران اس چکی نامہ کے نہ صرف الفاظ مسخ ہو گئے ہیں بلکہ مصرعوں کی ترتیب بھی بگڑ گئی ہے۔ چنانچہ ایسا محسوس ہوتا کہ اس نظم کے ساتویں۔ آٹھویں۔ نویں اور دسویں بند کے مصرعے آپس میں گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اس خیال کو اس امر سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ کاتب نے آٹھویں۔ نویں اور دسویں بند میں تیسرے اور چوتھے مصرع کو مقدم اور اولیٰ و ثانی کو موخر کر کے لکھا ہے۔ ذیل میں اس چکی نامہ سے کچھ بند نموناً درج کیے جاتے ہیں۔

دیکھو واجب تن کی چکی ... پیسو چاتر ہو کے سکی
سو کن ابلیس کھینچ کھینچ تھکی ... گے ماں بسم اللہ ہو ہو اللہ

الف اللہ اس کا دستہ ... میاں محمدؐ ہو کر بستا
بیچ عطا لیوں کو دستا ... گے ماں بسم اللہ ہو ہو اللہ

دانے ہے سو چن چن لاؤ ... شاہد باتوں سے لے کر بھاؤ
شریعت سے چکی [بھراؤ] ... گے ماں بسم اللہ ہو ہو اللہ

آٹا پیسو پورن سیا بھرو ... بہشتی میوہ یہ شکر دھرو
ساتوں صفتوں کا پورن بھرو ... گے ماں بسم اللہ ہو ہو اللہ

★

چکی نامہ سیّد میراں ہاشم خداوند ہادی

زمانی ترتیب کے اعتبار سے حضرت گیسودراز[۲] کے بعد دوسرا چکی نامہ خداوند ہادی کا دستیاب ہوتا ہے۔ ان کا اصلی نام سید ہاشم اور القاب خداوند خداوند ہادی اور خداوند ہادی خدانما ہیں۔ یہ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی نسل سے تھے۔ افسر صدیقی و سید سرفراز علی نے ان کے والد کا نام سید رستم اور دادا کا نام علاء الدین بخاری بیان کیا ہے[۶] انھیں بیجاپور کے مشہور صوفی شاہ امین الدین اعلیٰ سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ غلام علی موتف مشکوٰۃ النبوۃ نے "شاہ ہاشم خداوند ہادی کا میراں جی خدانما (حمرقی گنبد) سے اکتساب فیض کرنا روایت کیا ہے[۷] اورنگ زیب کے حملہ دکن کے وقت یہ چنچولی صوبہ بیجاپور میں بقید حیات تھے "تذکرہ اولیاء دکن" کے مطابق انھوں نے ۵ رشوال ۱۱۱۶ھ کو انتقال کیا۔ اور چنچولی میں آسودہ خاک ہوئے[۸] جہاں ان کا مزار موجود و مشہور ہے۔ سخاوت مرزا نے سید ہاشم خداوند ہادی کا سال وفات ۱۰۸۶ھ بتایا ہے[۹] لیکن راقم کے خیال میں "تذکرہ اولیائے دکن" روایت کردہ سال وفات مرجح ہے۔

سید ہاشم خداوند ہادی بڑے بافیض بزرگ تھے انھیں ایک صاحب علم و صاحب ارشاد خاندان کے جد اعلیٰ ہونے کا شرف حاصل ہے ان کے پوتے سید عبدالقادر میراں شاہ ولی اللہ۔ پرپوتے شاہ محمد

اور شاہ صدرالدین نے سلوک و معرفت اور تصنیف و تالیف کی روایت جاری رکھی۔ خود سید ہاشم خداوند ہادی بھی صاحب تصنیف بزرگ ہیں۔ ان کا ایک نثری رسالہ ۔ ایک غزل اور ایک چکی نامہ دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کے چکی نامے کا ایک نسخہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہے ۔ (مخطوطہ ۳۸) اس کا نام "چکی نامہ عرفان" ہے ۔ اس چکی نامے کے مصنف کے بارے میں بہتیرے محققین غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر زور نے تذکرہ مخطوطات جلد اول [۱۰] ۔ جلد سوم [۱۱] ۔ جلد پنجم [۱۲] ۔ اور علی گڑھ تاریخ ادب اردو [۱۳] میں اس کو میراں جی خدانما حیدرآبادی سے منسوب کیا ہے ۔ ظاہراً اس غلط فہمی کی وجہ سید میراں ہاشم خداوند ہادی اور میراں جی خدانما حیدرآبادی کے القاب کی مشابہت معلوم ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر محمد ہاشم علی نے اپنے ایک مقالے میں اس خیال کی تردید کی ہے کہ زیر بحث چکی نامہ سید ہاشم خداوند ہادی نے لکھا ہے وہ اسے ان کے مرید فاروقی کی تصنیف قرار دیتے ہیں ۔[۱۴] ڈاکٹر صاحب کی یہ تردید صحیح نہیں ہے کیونکہ اس چکی نامہ کے آخری بند میں "سید خداوند خدانما" کے الفاظ اس کو خداوند ہادی کی تصنیف ثابت کرتے ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فاروقی مرید خداوند ہادی نے بھی ایک چکی نامہ لکھا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا ۔ لیکن خداوند ہادی کا لکھا ہوا چکی نامہ الگ سے موجود ہے ۔

خداوند ہادی کا چکی نامہ ترکیب بند کی ہیئت میں ہے

اس میں ۱۶ بند ہیں۔ چار بند دو مصرعوں سے ہیں۔ اور بارہ بند تین تین مصرعوں پر مشتمل ہیں۔ بعض مصرعوں میں قافیہ کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ ہر بند کے آخر میں ایک شعر بطور ٹیپ کے دہرایا گیا ہے۔ اس جکی نامہ میں عرفان و سلوک کے وہی مسائل بیان کیے گئے ہیں جو اس دور کے صوفیانہ گیتوں کا عمومی موضوع تھے۔ جیسے نور خدا۔ نور نبی۔ ظہور کائنات۔ ضرورت شیخ۔ پانچ عناصر۔ ذکر و فکر وغیرہ ذیل میں اس کے کچھ بند نقل کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ ذاتی ناؤں قرآن اوپر کیا ٹھاؤں
کل شے اوسی کی چھاؤں

لا الٰہ کہنا الا اللہ میں رہنا نبی رسول سے من لانا لا الٰہ الا اللہ کہنا
اللہ آپی گنج مخفی ظاہر ہونے آیا نبی صاحب کے برقع میں اپس کوں دکھلایا
لا الٰہ کہنا الا اللہ میں رہنا نبی رسول سے من لانا اللہ اللہ کہنا
نبی صاحب کے خلیفہ حضرت علی ہیں پیارے جن کے مریدوں میں پیراں ہیں ہمارے
لا الٰہ کہنا الا اللہ میں رہنا نبی رسول سے من لانا اللہ اللہ کہنا
پانچ عناصر کا تہات دم کے اوپر حق میں بات
ہیں او ترین واجب کا کھاٹ

لا الٰہ کہنا ....

عرفان کا چکھی نامہ بولے سید خداوند خدا نما

پیر نے مرید کو سمجھایا

لا الٰہ کہنا ۱۵۰ء

چکی نامہ فاروقی : فاروقی کا نام اور دیگر تفصیلات پردہ خفا میں ہیں۔ البتہ اس کے چکی نامہ کی داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سید میراں ہاشم خداوند ہادی (چنچولی) کا مرید تھا ڈاکٹر زور نے سہواً اس کو میراں جی خدانما کا روانی (حیدرآبادی) کا مرید بنایا ہے (ملاحظہ ہو۔ تذکرہ مخطوطات جلد اول ص ۱۵۰۔ جلد سوم ص ۲۸۲۔ علیگڈھ تاریخ ادب اردو ص ۴۰) فاروقی کے چکی نامہ کا واحد مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہے (مخطوطہ ۱۱۴) ڈاکٹر زور نے تذکرہ مخطوطات کی جلد اول اور جلد سوم میں اس کا تعارف کرایا ہے۔ اور دونوں مقامات پر لکھا ہے کہ اس میں سولہ بند ہیں ۱۶۔ جبکہ درحقیقت اس میں سترہ بند ہیں۔ یہ ایک ترکیب بند کی ہیئت میں ہے جن میں تین ہم قافیہ مصرعوں کے بعد ٹیپ کے شعر کی ترجیع ہے فاروقی خداوند ہادی کا مرید تھا۔ نسبت کے اسی حق کے تحت اس نے نہ صرف اپنے مرشد کی تقلید میں یہ چکی نامہ لکھا بلکہ اس میں کئی بند

مرشد کے چکی نامہ سے لے کر داخل کر دیئے۔ فاروقی اور خداوند بادی کے چکی ناموں کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ فاروقی کے ہاں شروع کے آٹھ بند اور دسواں بند جوں کے توں یا ایک آدھ لفظ کے تغیر سے خداوند بادی کے چکی نامہ سے ماخوذ ہیں۔ البتہ ٹیپ کا شعر جدا گانہ ہے۔ اب یہ معلوم کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ اس آمیزش سے جائیں خود فاروقی کی مرضی کا کتنا دخل ہے اور کاتب یا ناقل کی دست درازی کا کتنا۔ !

فاروقی نے اپنے چکی نامہ کے آخری بندوں میں اپنے مرشد خداوند بادی اور امین الدین اعلیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنا تخلص بھی نظم کیا ہے۔ نمونتاً اس کے کچھ بند درج کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ ذاتی ناؤں — قرآن اُپر کیا ٹھاؤں

کل شئی پو اس کی چھاؤں

دیکھو سبحان سلطان — ہکیں ناؤں پو ہے قربان

کنز خفی روشن وحدت — کرو زہد تقوی عبادت

سنگات ایکا کلمہ شہادت

دیکھو سبحان ......

امین دین علی آئے — ہمنا سیدی مارگ لائے

اللہ رسول ہمیں پائے

دیکھو سبحان..........

خداوند شاہ دین قدرت　　ایتا ہمنا کچھ نئیں مزرت (۹)

پیر میلے رسول حضرت

دیکھو سبحان ......

فکر کر فاروقی لیائے　　سب سہاگنیاں پائے

شاہ کا جلوہ ڈُل ڈُل گائے

دیکھو سبحان ۱۷

ڈاکٹر سیدہ جعفر نے اپنی مرتبہ مثنوی " سکھ انجن " کے مقدمے میں فاروقی کے چکی نامہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں '' سالار جنگ کے کتب خانے میں ایک نظم چکی نامہ موجود ہے جس کے متعلق نصیرالدین ہاشمی کا خیال ہے کہ یہ فاروقی نامی کسی شاعر کی تخلیق ہے۔ یہ چوتھی بحر میں ہے اور سولہ ۱۶ بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں ایک مصرع سے ہمیں نانوں پوہیں قربان '' کی تکرار موجود ہے۔ ۱۸ ؛ ڈاکٹر صاحبہ نے نصیرالدین ہاشمی کی کس تصنیف سے ان کا خیال نقل کیا ہے اس کا حوالہ نہیں دیا۔ دوسرے یہ کہ فاروقی کے چکی نامہ کا قلمی نسخہ سالار جنگ کے کتب خانے میں نہیں ہے بلکہ ادارۂ ادبیات کے کتبخانے کی زینت ہے

دکنی کا سب سے طویل چکی نامہ: یہ چکی نامہ کتب خانہ سالار جنگ میں مخزونہ ہے۔ مخطوطہ نمبر ۲۴ تصوف

نصیر الدین ہاشمی نے وضاحتی فہرست میں اسے شاہ امین الدین اعلیٰ سے منسوب کیا ہے۔[19] لیکن یہ انتساب درست نہیں ہے۔ ہر چند کہ اس چکی نامے کے آخر میں امین کا نام آیا ہے۔ مگر یہ امین الدین اعلیٰ کی تصنیف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اورنگ زیب عالمگیر کی فتح دکن کا ذکر ہے جو ۱۰۹۸ھ میں عمل میں ہوئی جبکہ شاہ امین الدین ۱۰۸۵ھ میں انتقال کر چکے تھے۔ یہ دکنی کا طویل ترین چکی نامہ ہے جو (۱۲۷) اشعار پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ نے اس کے اشعار کی (۷۰) بتائی ہے[20] جو درست نہیں ہے۔ ابیات کے شمار میں ان سے تسامح ہوا ہے۔

اس چکی نامہ کے آغاز میں یہ بتایا گیا ہے کہ ذات واجب الوجود نے جب گنج مخفی سے ظاہر ہونا چاہا تو اپنے نور سے نور محمدی کی تخلیق کی اور آپؐ کے نور سے دونوں عالم پیدا کیے۔ آپؐ سارے انبیا کے سردار ہیں اور آپؐ کے "چاروں یار" خلیفہ برحق ہیں۔ بعد کے اشعار میں ظہیر شاہ۔ میراں اور قادر کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان اشعار میں بیشتر الفاظ ناقابل قرات جس کی وجہ سے نہ شاعر کا عندیہ کھلتا ہے اور نہ یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان اسماء کی

مصداق شخصیتیں کون ہیں۔ بہرحال مذکورہ اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

نبی کے خلیفے علی ہے پیارے اونوں کے خلیفاں میں یو پیراں ہمارے

آخر دسے خلیفاں میں ظہیرشہ کون پائے اون کے مریداں بندگی خط لائے

عالمگیری لکھ کواں حضرت میاں آئے قادر.... انے ظہیر شہ کوں پائے

اس حویلی چکی نامہ میں اس دور کے معتقدات سماجی مسائل کا اظہار ملتا ہے۔ اس میں کہیں جھوٹے مرشدوں اور بناوٹی پیروں کے مکروفریب کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ تو کہیں جاہل عورتوں کے مشرکانہ عقائد۔ بدعات۔ غیر شرعی رسومات اور نادر و نیاز پر لعنت و ملامت کی گئی ہے۔ شاعر "کھوٹے" گن کی ناری" کے پھوہڑپن اور بدسلیقگی کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔

مرد سوں جھگڑا کر جدا جا کر سوتی ست میں دو کھیا ہو کر نصیباں کوں روتی

مرد سوں نے کھاتی دن چڑھے لگ سوتی مرد کا کرا نا ہمسایہ سوں روتی

مرد کچھ پوچھے تو پھڑک جواب دیتی کم عقل بھکوڑی جھوٹی سو گندہ کھاتی

پھوڑتا ہی کے ڈھنگ موزی خوب یو دھرتی باسی کو سی ابرایا ہانڈی میں نے کھاتی

گھر میں آنگن میں کوڑا کھاٹ سے آکی جھولی کالی سوں نانہا دے تن پر سر کی چولی

اس کے بعد شاعر" چاتر ناریوں" کے طور وطریق کی تعریف اس طرح کرتا ہے

جیسے ہے چاتر ناریاں ان کیاں ریتاں ساریاں صندل سوند اچکسہ عود بخور سوریاں سعاریاں

بسی کنگوئی کجلا پٹیاں سیدھیاں رکھے   گوشہ پکڑ بیٹھے دامنی سوں سر ڈھانچے
سکیاں سرو قد کیاں بالو گھنگھر والیاں   سو گئے زلفاں ساجے صورت میں پھیلیاں

جہاں تک تصوف کے اسرار و رموز کا تعلق ہے اس چکی نامہ میں پانچ عناصر پچیس گن کے حوالے سے پانچ تن۔ ان کی منازل شہادت اور ذکر کی تمام تفصیلات وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔

پنجہ عناصر تے گن پچیس گن کا چالا
پنجہ پھلوں کی داروں بیری نفس کھیلا
پانچوں داروں بند کر ذکر کے اترنا
شہادت مبدا میانے جیں تن سوں مرنا
منزل ناسوت میانے جز اللہ سب کھوتا
بعد از لازم اس پر ذکر قلبی لینا
جیوں فرشتے حوراں ایسا مسکن تن ہے
موکل اسرافیل ہر تل ترتیب دینا
قلب ناسب اس پر الف روشن کیتا

راہ سلوک کی تعلیمات چکی کے استعارے اور اس کے تلازمات کی مدد سے اسطرح نظم کی گئی ہیں۔

واجب تن کی چکی چکن ....

مبدا، ممتنع میں عارف سکہ چھڑنے
شریعت کا دستہ طریقت کی میانی
حقیقت سے پیسوں معرفت نورانی
امر شریعت کا ہوا واجب تن پر
طریقت ہے لازم باطن اپنے من پر
حقیقت کی بندگی دائم کرنا پیسوں
معرفت میں .... دیکھو اپنے پیو کوں

صوفیانہ اور سماجی مسائل کے علاوہ اس چکی نامہ میں مغلوں کے خلاف دکنی ذہن کے رد عمل اور غم و غصہ کا اظہار بھی ملتا ہے ۔ اس میں اورنگ زیب پر سخت تنقید کی گئی ہے اور اس کی ذات کو طنز و تعریض کا نشانہ بنایا گیا ہے شاعر کہتا ہے کہ عالم گیر کی بادشاہی قیامت کی نشانی ہے ۔ اس کا انصاف محض شرعی حیلہ سازی ہے اس میں اخلاص نہیں ۔ اس کے دور میں نیچے بھٹیارے ۔ غلام اور چوبدار عروج پا رہے ہیں ۔ اور سادات پریشان و آشفتہ حال ہیں ۔ اس کی بادشاہی میں رشوت کا بازار گرم ہے ۔ اس کے حاکم جھوٹے ہیں ۔ اور قاضی چور ۔ اس کے بعد شاعر بڑی بے باکی سے اورنگ زیب

پر لعنت بھیجتا ہے۔ اور اسے کافر اور دوزخی قرار دیتا ہے۔ اس حصہ کے چند شعر ملاحظہ ہوں ــــ ؛ ؛

ہوا دین مندی آئی اورنگ کی بادشاہی
قیامت آنے کی نشانیاں دنیں آئی
انصاف اورنگ شہر کا شرعی آنے بہانے
نا ہیں اتھا اسی سینے میں سب کینے
بنیا ہو ہشیار غلام چو بدار ال
امیراں کے گھر میں سید ہے سواراں
اورنگ کی بادشاہی رشوت کی دہائی
حاکم ہوئے جھوٹے قاضی چور بلائی
اچھو ظالم اوپر لعنت ہے خدا کا
کافر بھی دنیا میں دوزخی سدا کا ۲۱

اس چکی نامہ کے آخر میں ایک شعر اس طرح ملتا ہے ؎

امین کے فقیر نے چکی نامہ گائے
مرشد پند کے پھول لال ہاراں گندگندلائے

غالباً اسی شعر کی وجہ سے نصیر الدین ہاشمی نے اسے شاہ امین الدین اعلیٰ کی

تصنیف سمجھا حالانکہ شعر کا قرینہ بتا رہا ہے کہ یہ نظم امین کی نہیں بلکہ
امین سے فقیر (فیض یافتہ) نے لکھی ہے۔
دکن میں امین نام سے کئی بزرگ گزرے ہیں۔ جن میں بعض شاعر بھی ہوئے
ہیں۔ اس لیے مذکورہ امین کی شخصیت کا تعین دشوار ہے۔ شاعر نے اپنے
پیر و مرشد کا نام شاہ ظہیر الدین بتایا ہے۔ جن کا ذکر اس نے تین مقامات
پر کیا ہے۔ دکن میں شاہ ظہیر ... سے بھی متعدد بزرگ گزرے ہیں مثلاً
ایک سید شاہ ظہیر الدین فی الحال شاہ قادری کرنولی کے جد امجد اور
شاہ امین الدین علی کے ہم عصر تھے۔ ایک اور ظہیر الدین کا ذکر "قصہ
ابراہیم ادھم" (دکنی، مخزونہ آندھرا پردیش لائبریری) کے مصنف محی الدین
نے اپنے مرشد کی حیثیت سے کیا ہے۔ [۲۲] مزید ایک اور ظہیر الدین
ذکر "تذکرہ اولیائے دکن" (۲۳) میں کیا گیا ہے۔ جو مولانا ظہیر الدین بن
سب اللہ بالاپوری عنایت الٰہی ہیں۔ جن کا سالِ وفات ۱۱۴۱ھ اور
رفن بالاپور (علاقہ برار) میں ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہے کہ
یر نظر چکی نامہ میں مذکور شاہ ظہیر کون ہیں۔ اسی طرح اس طویل چکی نامہ میں شاعر
کی شخصیت اور نام کے بارے میں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔

÷ — ÷ — ÷ — ÷ — ÷

چکی نامہ شاہ کمالؒ سید شاہ کمال الدین کڑپوی دکن کے مشہور صوفی بزرگ ہیں۔ یہ سید شاہ جمال الدین بادشاہ بخاری کے فرزند تھے۔ سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ پر منتہی ہوتا ہے۔ ان کے اسلاف کا وطن بخارا تھا ترک وطن کے بعد ان کے اجداد نے ابتداءً شانوز (بیجاپور) اور بعد میں کڑپہ اور کرنول میں توطن اختیار کیا۔ شاہ کمال کو اپنے برادر گرامی حضرت شہ میرؒ سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ شاہ کمال کی چھوٹی بڑی متعدد تصانیف ہیں لیکن قدر و قیمت کے اعتبار سے ان کا دیوان مخزن العرفان بڑی اہمیت کا حامل ہے ـــــ ٹیپو سلطان نے انھیں "جامیٔ دکن" کا خطاب دیا تھا شاہ کمال نے ۱۲۲۴ھ میں انتقال کیا۔ انھوں نے ایک چکی نامہ بھی لکھا تھا جس کے اشعار آج بھی بڑی بوڑھی عورتوں سے سننے کو ملتے ہیں شاہ کمال کے چکی نامہ کے متعدد قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

شاہ کمال کے دیوان کے دو قلمی نسخے (مخطوطہ ۱۶۲۳ جدید اور مخطوطہ ۱۲۷۹ دواوین) کتب خانہ آصفیہ میں اور ایک نسخہ (مخطوطہ ۶۰۰ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ لیکن ان نسخوں میں چکی نامہ موجود نہیں ہے

البتہ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) کے کتب خانہ خاص میں کلیات کمال (مخطوطہ ص $\frac{3}{117}$) اور دیوان کمال (مخطوطہ ص $\frac{3}{182}$) کا ایک ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے۔ دونوں میں شاہ کمال کا چکی نامہ موجود ہے۔

اس کے علاوہ اس کے تین نسخے کتب خانہ آصفیہ میں مخزونہ ہیں (۱) مخطوطہ ۱۱۵۷ جدید۔ (۲) مخطوطہ ۶۰۱۱ جدید (۳) مخطوطہ ۲۰۰ فن مجامع۔ ان میں موخرالذکر دو نسخوں کا ذکر اس سے قبل کسی نے نہیں کیا ہے۔ انھیں خالصتاً راقم الحروف کی دریافت کہا جا سکتا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ کے ان تینوں نسخوں میں اشعار کی تعداد یکساں نہیں۔ ان میں علی الترتیب پہلے نسخے میں اکتیس ۳۱۔ دوسرے نسخے میں سینتیس ۳۷ اور تیسرے نسخے میں بتیس ۳۲ اشعار ہیں۔ کتب خانہ سالار جنگ میں مخزونہ نسخے میں اشعار کی تعداد چھتیس ۳۶ ہے۔

مولوی نصیرالدین ہاشمی کتب خانہ سالار جنگ میں مخزونہ شاہ کمال کے اس چکی نامہ کے بارے میں وضاحتی فہرست میں لکھتے ہیں۔ "اس چکی نامہ کے مصنف کا پتہ نہیں چلتا [24]" اور کتب خانہ آصفیہ کی فہرست مخطوطات جلد دوم میں اس چکی نامہ سے مخطوطہ ۱۱۵۷ جدید کے تعارف میں اسے شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف بتایا ہے

لطف یہ کہ "دکن میں اُردو" میں انھوں نے اس چکی نامہ کو شاہ راجو حسینی سے منسوب کیا ہے۔ ۲۶ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس چکی نامہ کے مصنف کے بارے میں انھیں زبردست تسامح ہوا ہے۔

شاہ کمال کے اس چکی نامہ کا ذکر ڈاکٹر سید جعفر نے بھی کیا ہے۔ "سکھ انجن" کے مقدمے میں وہ رقم طراز ہیں" ممکن ہو اس کے مصنف شاہ میر کے بھائی شاہ کمال ہوں لیکن قطعیت کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔" ۲۷ ڈاکٹر صاحبہ نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے کہ انہیں اس چکی نامہ کو قطعیت کے ساتھ شاہ کمال کی تصنیف ماننے میں تردّد کیوں ہے۔ ان کی مرتبہ مثنوی "سکھ انجن" ۱۹۶۸ء میں شایع ہوئی جبکہ ۱۹۱۳ء میں شاہ کمال کا دیوان مخزن العرفان بنگلور سے شایع ہوا ہے جس کی جلد دوم میں یہ چکی نامہ شامل ہے۔

رسالہ اردو بابتہ اپریل ۱۹۳۹ء میں "شاہ کمال" پر سخاوت مرزا کا طویل مقالہ شایع ہوا جس میں انھوں نے اس چکی نامہ کو شاہ کمال کی تصنیف قرار دیا ہے اور اس کا مکمل متن بھی پیش کیا ہے۔ علاوہ ان باتوں کے خود اس چکی نامہ میں شاہ کمال اور ان کے پیر شد میر کا نام ایسی زبردست داخلی شہادت ہے جس کے بعد اسے شاہ کمال کی تصنیف قرار دینے کے لئے مزید کسی ثبوت

کی حاجت نہیں رہتی۔

اس چکی نامہ کی وجہ تصنیف یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ شاہ کمال خواجہ رحمت اللہ سے ملاقات کی غرض سے رحمت آباد تشریف لے گئے۔ اتفاق سے خواجہ مذکور گھر پر نہیں تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ نے جو چکی پیس رہی تھیں دریافت کیا کہ کون ہے؟ آپ نے کہا کمال آیا ہے۔ پوچھا کہ کیا کمال لایا ہے؟ یہ عجیب و غریب سوال سن کر آپ نے فی الفور (۳۰) شعر کا یہ چکی نامہ لکھا اور خواجہ صاحب کی حرم محترم کی خدمت میں بھیج کر خوشنودی حاصل کی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ کمال کا چکی نامہ اپنے مخصوص استعاراتی رنگ، اشاریت اور ایمائیت، موسیقی و ترنم، روانی و نغمگی اور سرمستی و سرشاری کی کیفیت میں تمام چکی ناموں پر فوقیت رکھتا ہے۔

اس چکی نامہ میں شاہ کمال نے چکی کے استعارے اور تلازمات کے ذریعہ نیز شادی بیاہ کی رسومات کے پردے میں تصوف و معرفت کے اسرار و رموز کی گرہ کشائی کی ہے اور عرفان حق کے لیے شریعت و طریقت کی جامعیت پر زور دیا ہے۔ ابتدا بسم اللہ کے فوائد و برکات واضح کیے گئے ہیں چند منتخب شعر ملاحظہ ہوں۔

بسم اللہ بسم اللہ ہر دم میں بولوں گی
ثنا ہور صفت کے موتیاں کوں رولوں گی

بسم اللہ بسم اللہ سمرن میرے من کا
ہر دم ہے وظیفہ تا دن اس ساجن کا

بسم اللہ جو ناری یک بار ہی کہے گی
پاپ اس کی ذری باقی نہ رہے گی

بسم اللہ کہنے میں شیطان بھی جل جاتا
اگن سے دو رمیانی کتھل جوں گل جانا

بسم اللہ جو سندر صدق سوں کہے گی
وہ پار ہو دوزخ سوں جنت میں رہیگی

شاہ کمال نے چکی نامے میں "چکی" پورے نظام سلوک کا استعارہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ کہہ کر راہ سلوک میں قدم رکھنا چاہئے تاکہ اس کی برکت سے عقیدہ توحید (توحید وجودی) قلب میں جاگزیں ہو جائے سالک کو چاہئے کہ ذکر کی قوت سے شریعت۔ حقیقت اور معرفت کی منازل طے کرے۔ اور ہر دم تمام اسمائے حسنیٰ کے ساتھ باری تعالیٰ کی ذات وصفات کی حمد و ثنا کرتا رہے۔ راہ سلوک کے مسافروں کو چاہئے کہ لاالٰہ کے ورد اور اس کے معنیٰ کی تحقیق و معرفت کے ذریعہ قلب سے دوئی کا تصور ختم کر دیں۔ نظام سلوک کی اس چکی میں اقرار یعنی اِقرارٌ بِاللِّسان کھونٹے اور تصدیق یعنی تَصْدِیقٌ بِالْقَلْب میانی (محور) کا درجہ رکھتی ہے۔ نفی یعنی لاالٰہ ذریعہ اثبات یعنی الا اللہ کی تسلیم و تصدیق اور تحقیق و ادراک کرنا چاہئے۔ عینیت اور غیریت کے اعتبارات اس نظام سلوک کی چکی

کے ۔ دو پاٹ ہیں جن میں سالک اپنی خودی کو پیستا ہے اور اللہ اور رسول کا قرب حاصل کرتا ہے ۔

بسم اللہ سوں کرنا چکی کا ابتداء — وحدت کے آٹے میں برکت دیں گا خدا
بسم اللہ کے بل سے چکی میں پھراؤں — کامل سب صفتاں سوں ساجن کو ساراؤں
پہلیاں کلمے کی بولو چکی میاں نے — دوئی کے خطریاں کوں بھاکے پیسو دانے
اقرار کا ہے کھونٹا تصدیق کی میانی — نفی کے توں سوں اثبات چکسنہ چھانی
عینیت غیریت چکی کے دو پاٹاں — اللہ ہور نبی سے ملنے کے ادباٹاں

اس چکی نامے میں شاہ کمال نے دلہا اور دلہن کے جلوہ کی رسم کی تمثیل کے ذریعہ نہایت لطیف اور پر اثر ایمانی انداز میں فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہونے کی وضاحت کی ہے

دولا ہور دولہن کے جلوے کی رات آئی — میں سو تو تو سو میں کیا بہتر بات آئی
حقیقت میں دولہن دولے سوں بیگانی — دولا جم جم باقی دولہن نت نت فانی
پھر دیکھو تو یک ہیں دولا دولہن دو مل — جدائی ہور دوری دونوں میں نئیں یک تل
دولہن کی صورت سوں دولا آپ ظاہر ہے — دولے کی ہستی سو دولہن کب باہر ہے

چکی نامے کے آخری حصے میں اپنے مرشد شہ میر اور اپنا ذکر اس طرح کیا ہے ـــ ÷ ـــ ÷ ـــ ÷

پرم کا پیالہ بھر بھر کو دیبے منجے
شہ میر پیر کی داری قوالی کیئے منجے
ہر شئے میں اللہ ہے کر یقین دھر کا آ تی
دوئی سے خطریاں ہوں بس کوں کر خالی

چکی نامہ فی الحال شاہ قادری :

فی الحال شاہ کرنول کے ایک صوفی شاعر گزرے ہیں۔ اُن کا پورا نام سید شاہ عبدالقادر اور تخلص فی الحال تھا۔ ڈاکٹر زور نے انھیں میسور کا باشندہ بتایا ہے۔ ۲۹ لیکن جدید تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کرنول کے باشندے تھے۔ ان کے والد سید شاہ قدرت اللہ قادری کنکال ریچاپور کے متوطن تھے اور کنگال شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ کنگال شاہ کو ان کے والد سید شاہ ظہیرالدین سے بیعت و خلافت حاصل تھی جو شاہ امین الدین اعلیٰ کے ہم عصر تھے۔ فی الحال شاہ کے پیر طریقت اُن کے والد کنگال شاہ تھے جس کا اظہار انھوں نے اپنے دیوان میں جابجا کیا ہے مثلاً :

کنگال ہو فی الحال میں نعمت لیا اس شاہ سوں
قدرت اللہ نام ہے جس عارف باللہ کا

فی الحال شاہ قادری شاہ کمال کرلوی اور شاہ صادق اورنگ آبادی کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی اور کرنول میں مدفون ہوئے۔ الحال شاہ صاحب دیوان شاعر ہیں۔ ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ

(مخطوطہ ۲۲۲ مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد) راقم کی نظر سے گذر چکا ہے۔ انھوں نے ایک چکی نامہ بھی لکھا ہے جس کا ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ (مخطوطہ ۳۷ تصوف میں اور ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ (مخطوطہ ۱۹ جدید) میں محفوظ ہے۔

کتب خانہ سالار جنگ کی وضاحتی فہرست میں نصیر الدین ہاشمی نے اس چکی نامے کے مصنف کا نام غوثی بتایا ہے۔ ۳۰ اور کتب خانہ آصفیہ کی وضاحتی فہرست (جلد دوم) میں اس نظم سے متعلق وہ لکھتے ہیں چکی نامہ موسوم بہ غوثی نامہ منظوم در تصوف مصنفہ صاحب قادری متخلص بہ غوثی مرید سید قدرت اللہ ۳۱ ڈاکٹر قیوم صادق نے بھی اس چکی نامہ کو غوثی بیجاپوری کی تصنیف بیان کیا ہے۔ ۳۲ کتب خانہ سالار جنگ میں اس چکی نامہ کا جو نسخہ محفوظ ہے۔ اس پر کاتب نے " وایں چکی نامہ تصنیف مخدوم حسینی" لکھا ہے۔ جبکہ اس نظم کے اندر فی الحال صاحب قادری اور سید قدرت اللہ کے اسماء موجود ہیں جو ایسی ٹھوس داخلی شہادت ہیں کہ اس چکی نامے کو فی الحال شاہ قادری کی تصنیف ماننے میں کوئی شک اور تردد نہیں ہونا چاہیے۔ نصیر الدین ہاشمی نے اس چکی نامہ کے نسخہ سالار جنگ میں اشعار کی تعداد (۵۹) بتائی ہے۔ ڈاکٹر زینب ساجدہ اپنے مضمون " دکنی گیت "

میں رقم طراز ہیں "سالار جنگ کے مخطوطے میں (۷۰) اور آصفیہ کے مخطوطے میں (۵۴) شعر ہیں" ۳۳؎ لیکن انھوں نے آصفیہ کے مخطوطے کا نمبر نہیں دیا ہے اسی طرح سخاوت مرزا اپنے مضمون "شاہ عبدالقادر فی الحال قادری کرنولی" میں اس چکی نامہ کے دو نسخوں مخزونہ کتب خانہ آصفیہ و سالار جنگ کا حوالہ بغیر مخطوطہ نمبر کے دیا ہے۔ اور ہر دو نسخوں میں اشعار کی تعداد (۴۶) بتائی ہے۔ ۳۴؎ اس چکی نامہ کے اشعار کی تعداد شمار کرنے میں ان تمام اصحاب سے سہو ہوا ہے۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق اس کے نسخہ سالار جنگ (مخطوطہ تصوف ۳۷) میں اشعار کی تعداد (۶۶) اور نسخہ آصفیہ (مخطوطہ ۷۹۰ جدید) میں اشعار کی تعداد (۵۳) ہے۔ نسخہ سالار جنگ میں کاتب نے (۷۰) شعر لکھے ہیں لیکن اس میں چار اشعار کی تکرار ہوئی ہے اس طرح اشعار کی اصل تعداد (۶۶) قرار پاتی ہے ۔

سخاوت مرزا نے اپنے متذکرہ بالا مضمون میں فی الحال شاہ کے چکی نامہ کا مکمل متن پیش کیا ہے جو (۴۵) اشعار پر مشتمل ہے۔ معلوم نہیں انھوں نے یہ کہاں سے نقل کیا ہے کیونکہ ان کے پیش کردہ متن کے آٹھ اشعار نسخہ آصفیہ (۷۹۰ جدید) میں نہیں ہیں۔ اور اس نسخے کے سولہ اشعار ان کے متن میں نہیں ہیں۔ اسی طرح اس چکی نامہ کے نسخہ سالار جنگ

(تصوف ۲۷) کے ~~بتیس~~ ۳۲ شعر سخاوت مرزا کے شایع کردہ متن میں نہیں ہیں۔ اور اس متن کے گیارہ اشعار نسخہ سالار جنگ میں نہیں ہیں۔ اسی طرح فی الحال شاہ کے اس چکی نامہ سے نسخہ آصفیہ اور نسخہ سالار جنگ کا تقابلی مطالعہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ نسخہ آصفیہ کے (۲۳) اشعار نسخہ سالار جنگ میں نہیں ہیں اور نسخہ سالار جنگ کے (۲۸) اشعار نسخہ آصفیہ میں نہیں ہیں۔ اس طرح اس چکی نامے کے دو قلمی اور ایک مطبوعہ متن میں صرف (۲۹) شعر مشترک ہیں

فی الحال شاہ کا چکی نامہ مثنوی کی ہئیت میں ہے اور اس میں دکنی عورتوں کے روزمرہ میں سلوک و طریقت کے اسرار و مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس چکی نامہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

سنو ماواں بھاناں اللہ کو سرانا | ہر شئے میں اللہ ہے اول اسکو پانا
ساری سیلیاں مل کو غفلت کا سر مونڈو | اللہ سے پانے کو کامل مرشد ڈھونڈو
کامل کامل کہی تو کامل کا کیا معنیٰ | اللہ اور نبی کو ہر شئی میں سامنے پانا
شرما کر رہنے سے حاصل کچھ نئیں بہنا | دم کا نئیں بھروسہ ناحق عمر کھونا
یاں اندھا سو واں اندھا اللہ صاحب بولے | دنیا کی غفلت میں اپس کو کیوں بھولے
جاں سوں آئے واں جانا لاکھوں لیجانا | ایسے بھید اسیلیاں کامل پیر سوں پانا

اس چکی نامہ کے مزید چیدہ چیدہ اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

شریعت طریقت چکی کے دو پاٹاں — اللہ اور نبی سو ملنے سے دو پاٹاں

غیریت کا کھونٹا عینیت کی میانی — دوئی کو پیسے سو سیلی میری شانی

ساری سیلیاں مل کو چکی کو سہرا ؤ — دم سور کے آواز میں ذاتی گیتاں گاؤ

ابنہائی کو نئیں آتا چکی کا پھرانا — سہاگن کو لازم گیتاں پیو پو گانا

کثرت کی جاری کو وحدت کی چکی میں — پیسو ہلو ہلو گیتاں گاؤ نفی میں

ایسا چکی نامہ رات دن دل سو پڑنا — چکی کے گھونگھٹ میں باتاں پیو سو کرنا

فی الحال صاحب قادری غلام ہو کر آیا — کامل پیر کے کو شاں سر پو اپنے لایا

سید قدرت اللہ کامل پیر ہے میرا — وحدت کے پھولاں کا جس کے سر پو سہرا[۳۵]

چکی نامہ بازی : کتب خانہ سالار جنگ میں مخزونہ ایک قدیم قلمی بیاض میں جس مخطوطہ نمبر ۱۰۵ منظوم افسانے اردو" ہے۔ ایک غیر معروف شاعر بازی کا چکی نامہ ملتا ہے۔ اس مخطوطے کا ذکر کتب خانہ کی وضاحتی فہرست مرتبہ نصیر الدین ہاشمی میں نہیں ہے، اس میں دو نظمیں شیرازہ بند ہیں۔

(۱) چکی نامہ (۲) کسوت نامہ۔ مخطوطے پر "قصہ فیروز شاہ" لکھا ہوا ہے۔ پہلی نظم کے آغاز میں "چکی ناما" (کذا) اور دوسری نظم کے آغاز و اختتام پر "کسوت نامہ" درج ہے کسوت نامہ کا سنہ تصنیف

شاعر نے نظم سے اندر ۱۱ صفر ۱۱۰۰ھ بیان کیا ہے۔ اور ترقیمہ میں اس کا سنہ کتابت ۷ ارجب المرجب ۱۲۶۷ھ بتایا گیا ہے۔ اس کے برخلاف چکی نامہ کا سنہ تصنیف نامعلوم ہے اور اس پر کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ کسوت نامہ خوش خط اور صحیح املا میں لکھا گیا ہے۔ جبکہ چکی نامہ کا کاتب نہایت زشت خط ہے اس میں املا کی بے شمار غلطیاں ملتی ہیں۔

باذی کا چکی نامہ مثنوی کی ہیئت میں ہے اور اس میں از آغاز تا اختتام تیس اشعار ہیں۔ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور سیدہ فاطمہؓ کی منقبت میں کچھ اشعار کہے گئے ہیں۔

اول بولوں بی اللّٰھم ربی　　　صلوٰۃ علیہ صلوا علی النبی
پیغمبر کا سایہ دو عالم پر چھایا　　　سب سے برتر پایا اللہ نے فرمایا
مقبول ربانی محبوب سبحانی　　　جی دیونگی قربانی میں پیران کو مانی
خاتون جنت کی تربت ہے نورانی　　　صدقے ہو روضے سے رکھ دیونگی پیشانی
سید شہدا کے صدقے میں ہوں موتی　　　قدرت کے دریا کے وہ ہے نچھل موتی

اس چکی نامہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں چکی ناموں کی عام روش کے مطابق تصوف و طریقت کے مسائل نہیں بیان کیے گئے ہیں بلکہ ایک مذہبی قصہ

نظم کیا گیا ہے۔ جس کی کوئی اصلیت یا تاریخی صداقت نہیں ہے۔ اس طبع زاد قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بی بی فاطمہؓ نے حضرات حسنینؓ کا جو ابھی صغر سن شاہزادے تھے روزہ رکھوایا۔ آدھا دن گزرنے کے بعد چھوٹے صاحبزادے یعنی سیدنا حسینؓ کو ناتوانی کے سبب غش آنے لگا۔ یہ دیکھ کر بی بی صاحبہؓ مضطربانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور حضرت حسینؓ کی کیفیت بیان فرمائیں۔ آنحضرتؐ بی بی صاحبہؓ کے گھر تشریف لائے۔ اور باری تعالیٰ سے دعا کی کہ حضرت حسینؓ کی تکلیف رفع ہو۔ اللہ کے حکم سے فرشتوں نے سورج کی طنابوں کو کھینچ کر اسے فی الفور پردہ مغرب میں پہنچا دیا۔ اسی دم حضرت جبرئیلؑ حضرات حسنین کے افطار کے لیے جنت کے میوے لیے حاضر ہوئے۔ اور یہ نوید سنائی کہ دونوں شہزادوں کا روزہ بارگاہ رب میں مقبول ہوا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ نے سجدہ شکر بجالایا۔۔ آخر میں شاعر کہتا ہے۔

جو کوئی پیتا لیسہ (پند نامہ) کو چکی پہ گاویں گی
دولت اس کے گھر باندی ہو آویں گی
بازی تو فرمائے جیکی نامہ بوسے
تمھیں تو کچھ بھی ہو منھ سے موتی روے، ص ۳۶

چکی نامہ مجہول الاسم شاعر

راقم الحروف کو کتب خانہ آصفیہ کی ایک قلمی بیاض میں کسی مجہول الاسم شاعر کا لکھا ہوا ایک چکی نامہ دستیاب ہوا ہے کتب خانہ آصفیہ کی وضاحتی فہرست مخطوطات میں نصیر الدین ہاشمی نے اس مخطوطہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ چکی نامہ باآزی کی طرح اس چکی نامہ کا ذکر بھی اب تک کسی محقق نے نہیں کیا ہے۔ ذیل میں اس چکی نامہ کے مخطوطے مختصر تعارف حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔

جملہ اوراق ۱۲	تعداد سطور مختلف فی صفحہ	خط نستعلیق طبعی
کاغذ دیسی	کاتب حکیم سید احمد قادری	سنہ کتابت ۱۳۱۸ھ

اس بیاض میں جس کا مخطوطہ نمبر ۱۵۰۷ جدید ہے چکی نامہ کے علاوہ معجزہ نامہ مچھلی نامہ اور تنبولی نامہ بھی مجلد ہیں۔ چکی نامہ تیسرے نمبر پر ہے۔ یہ مثنوی کی ہیئت میں ہے اور سولہ اشعار پر مشتمل ہے۔ لیکن کسی بھی شعر میں شاعر کے نام تخلص۔ مرشد یا وطن وغیرہ کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ تاہم موضوع اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چکی نامہ شاہ کمال کی تقلید میں لکھا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے کسی مرید یا معتقد کا کارنامہ ہو اگر یہ قیاس صحیح ہے تو اس چکی نامہ کا زمانہ تصنیف تیرھویں صدی ہجری قرار پاتا ہے اس مجہول الاحوال چکی نامہ میں شروع سے آخر تک

شاہ کمال کے چکی نامہ سے خیالات کی تکرار ملتی ہے۔ وہی مضامین اور انداز۔ وہی اصطلاحات اور وہی استعارات جو شاہ کمال کے ہاں ہیں جزوی ترمیم کے ساتھ یہاں بھی ہیں۔ بعض مقامات پر شاہ کمال کے چکی نامہ کے بعض اشعار کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ ذیل میں اس چکی نامہ کے چیدہ چیدہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ کہہ کر چکی کو پھراؤں
اللہ اور نبی کے صفت السنہ سراؤں
بسم اللہ میں دیکھو سارا بھید نکتے کا
کل شئے میں محیط ہے سارا بھید نکتے کا
نکتے سوں الف ہوا الف سوں احمد ہے
ظاہر اور باطن کا نکتے میں مصحف ہے
اپنے کو پانے کو کامل مرشد پاؤ
مرشد کے قدموں پو واری واری جاؤ
سہاگن وہی ہے کامل مرشد پائے
مرشد نئیں پائی سو وہ ہی ہے ابھاگی
نگھانے نگھانے چکی کے دو پاٹاں
اللہ اور نبی کے ملنے کے دو پاٹاں

شریعت کا کھونٹا طریقت کی میانی
حقیقت کا چکسہ معرفت سے چھانی
سہاگن سات صفتاں ایک چکی پھراؤ
سر سے پاؤں لگ گہنا پیناؤ: ۳۷

اب تک ان چکی ناموں کا ذکر کیا گیا جن تک راقم الحروف کی رسائی ہو سکی بعض چکی نامے ایسے بھی ہیں جو راقم کی دسترس سے باہر ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل قلم بند کی جاتی ہے۔

افسر صدیقی اطلاع دیتے ہیں کہ مخدوم بیجاپوری (مرید پیر اللہ حسینی) کے "میزدانی نامہ" کے مخطوطے ۳/۸۹ مخزونہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) کے اختتام پر " کاتب نے چکی نامہ نقل کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن مکمل نہیں کیا جا سکا۔ اس کے صرف چار دہرے خط نستعلیق میں لکھے ہیں ۳۸ افسوس کہ افسر صدیقی نے ان دوہروں کا نمونہ نہیں دیا۔ جس کی وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ مذکورہ دہرے کسی معلوم چکی نامہ کے ہیں۔ یا کسی نئے چکی نامہ کے۔ یہاں یہ بات بھی محل نظر ہے کہ کیا چکی نامہ کے اشعار کو "دہرے" کہا جا سکتا ہے !
انھوں نے اس مخطوطے کا سال کتابت ۱۲۲۴ھ بتایا ہے۔ جو بذریعہ مہر

مخطوطے سے اختتام پر ثبت کیا گیا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بھی ایک چکی نامہ کی نشاندہی کی ہے۔ اپنی تصنیف "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء" میں وہ لکھتی ہیں کہ انھیں بیجاپور سے سرکاری عجائب خانے میں دکنی نثر کا ایک قلمی رسالہ موسومہ "جنونیہ" دستیاب ہوا۔ اس رسالے کے ساتھ دو اور منظوم رسالے، "پندنامہ" اور چکی نامہ بھی منسلک ہیں۔ انھوں نے نمونتاً دو شعر بھی نقل کیے ہیں جو یہ ہیں ـــــــــ

خوش حال سکیاں کے قبیلے میں تا نا ۔۔۔ چلو سب سہیلیاں مینوانی کتانا

ساتو سہیلیاں مل کر تانی کے گھر آیاں ۔۔۔ کنوارا سیانی حکمت کی للیاں ٣٩

مصنفہ مذکور نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ یہ اشعار چکی نامہ کے ہیں یا پندنامہ کے۔ قرینے سے یہ چکی نامہ کے نہیں معلوم ہوتے۔ انھوں نے ان منظومات کے مصنفین کے نام بھی نہیں بتائے ہیں۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی خبر دیتے ہیں کہ "شاہ قربی کی ایک مثنوی چکی نامہ بھی ہے" ٤٠ شاہ ابوالحسن قربی ١١١٧ھ تا ١١٨٢ھ کے تصنیف کردہ ایک مجہول الاسم رسالۂ تصوف کے تعارف میں جس کا مخطوطہ کتب خانۂ آصفیہ میں مخزونہ ہے۔ (نمبر ٣٩٢ تصوف شامات) انھوں نے ضمناً شاہ قربی کے چکی نامے کا بھی ذکر کیا ہے لیکن نہ تو اس کا نمونہ دیا ہے اور نہ اس کے

نسخے ہی کی نشاندہی کی ہے۔ ان چکی ناموں کے علاوہ سخاوت مرزا نے بھی ایک چکی نامہ کا پتہ دیا ہے۔ جو ان کے بیان کے مطابق فقیر اللہ شاہ کی تصنیف ہے [۴۱]۔ انھوں نے اپنے مضمون "مناقب بازی" ۔ مشمولہ رسالہ اردو بابتہ جولائی ۱۹۵۸ء میں اس چکی نامہ کے اشعار کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔ لیکن ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اتفاق سے یہ نظم راقم الحروف کو کتب خانہ آصفیہ کی ایک قلمی بیاض (مخطوطہ ۸۴ جدید) میں دستیاب ہوئی۔ اس بیاض میں "پھگڑی پھو" کی طرز پر سات نظمیں ملتی ہیں۔ جن میں چھے فرید نامی شاعر کی ہیں اور ایک نظم کو جو بلحاظ ترتیب بیاض میں چوتھے نمبر پر رقم کی گئی ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے فقیر اللہ شاہ کی تصنیف قرار دیا ہے [۴۲] کیوں کہ اس کے ایک شعر میں فقیر اللہ شاہ کا نام آیا ہے۔

جگت گرو فقیر اللہ شاہ   چیلا ان کا فنا فی اللہ

محولہ کلام سے ظاہر ہے کہ یہ نظم فقیر اللہ شاہ کی نہیں بلکہ ان کے چیلے کی تصنیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چیلا فرید ہی ہو۔ یہ نظم جسے سخاوت مرزا نے چکی نامہ سمجھا ہے دراصل چکی نامہ نہیں ہے۔ بلکہ پھگڑی پھو ہے۔ اس میں کل پچیس بند ہیں۔ سخاوت مرزا نے اس کی ہیئت بھی غلط بتائی ہے۔

یہ مثلث نہیں بلکہ ترکیب بند مسدس کی ہیئت میں ہے۔ جس میں ابتدائی چار مصرع ایک قافیہ میں ہیں۔ اور آخری دو مصرع دوسرے قافیہ میں۔ ہر بند میں چھٹے مصرع کی ترجیع ملتی ہے۔ اس پھگڑی میں گیارھویں بند سے چکی اور اس کے متعلقات کا ذکر ہے جو سولھویں بند تک چلتا ہے۔ آخری دو بند بھی اسی کے لئے وقف ہیں۔ اس طرح چھبیس بندوں کی اس نظم میں آٹھ بند چکی کے بیان پر مشتمل ہیں۔ لیکن یہ چکی نامہ نہیں ہے پھگڑی پھو ہے۔ سخاوت مرزا نے اس کے مصنف۔ موضوع اور ہیئت کے تعین میں غلطی کی ہے۔ نمونتاً اس نظم کے کچھ بند جن میں چکی کا ذکر ہے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

تن کی چکی ماڈو مال دم کے دانے پیسو مال
حب کا کھونٹا سے جان خوب سمجھ کے کر کر دھیان

ٹھو کا اس کا دویں دو

لا الہ الا ھو

لا کا دو رنا مد سے ڈال الگ اٹھا کر شد سے نکال
کھینچا کھینچی دم کے سنبھال کھینچیں لگے دم کو مرشد تال

ڈھانک ہوا سے اس کو تو

لا الہ الا ھو

سانی میانی اس کو چھان — سوجی میدے کا کرد ھیان
تمام پھٹک دے میری جان — غرباں جگر کو کر عریاں (؟)
بھوسا اس کا ہے بدخو
لا الٰہ الا ھو

جگت گرو فقیر اللہ شاہ — چیلا ان کا فنا فی اللہ
سمجھو یاراں تم واللہ — پیسو آپی چسکی واہ
پانی اپنا کر لو ہو
لا اِلٰہ الّا ھو



مطبوعہ مجلہ اقبال (سہ ماہی)
لاہور اپریل/جولائی ۱۹۹۲ء

فہرست حوالہ جات

١۔ زینت ساجدہ (ڈاکٹر) مضمون "دکنی گیت" مشمولہ مجلہ عثمانیہ دکنی ادب نمبر ٦٤-١٩٦٣ء ص ٢١٨

٢۔ سیدہ جعفر (ڈاکٹر) مرتبہ، سکھ انجن، مصنفہ سید شاہ ابوالحسن قادری حیدرآباد ١٩٦٨ء مقدمہ ص ٦٢

٣۔ سید محی الدین قادری زور (ڈاکٹر) تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول، حیدرآباد ١٩٤٣ء ص ٦٨

٤۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، لکھنؤ ١٩٦٣ء ص ٣٤

٥۔ حضرت گیسودراز چکی نامہ (قلمی نسخہ) مخطوطہ ٤٢/١٢٠ب مخزونہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد

٦۔ افسر صدیقی، سید سرفراز علی فہرست مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) جلد اول کراچی سنہ ص ٧٦

٧۔ غلام علی، مشکوٰۃ النبوۃ (قلمی) مخطوط نمبر ١٩٤ تذکرہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ ص ٥٣٥ - ٥٣٤

۸ۓ عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری، تذکرہ اولیائے دکن۔ جلد دوم ص ۱۱۱۹

۹ۓ سخاوت مرزا۔ تذکرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت "
حیدرآباد ۱۹۶۳ء، ص ۲۵۳

۱۰ۓ سید محی الدین قادری زور (ڈاکٹر) تذکرہ اُردو مخطوطات
" جلد اول ص ۶۴ و نیز ص ۱۵۰

۱۱ۓ " جلد سوم حیدرآباد ۱۹۵۷ء ص ۲۸۲

۱۲ۓ " جلد پنجم حیدرآباد ۱۹۵۹ء ص ۱۲۰

۱۳ۓ " علی گڑھ تاریخ ادب اردو علی گڑھ ۱۹۶۲ء ص ۴۰۰

۱۴ۓ محمد ہاشم علی (ڈاکٹر) مضمون، سلسلہ بندہ نواز کے ایک صوفی خاندان
کی اردو خدمات، مشمولہ ماہنامہ سب رس بابتہ نومبر ۱۹۷۸ء ص ۹

۱۵ۓ سید میراں ہاشم خداوند ہادی "چکی نامہ (قلمی) مخطوطہ نمبر ۳۸
مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۱۶ۓ تذکرہ مخطوطات جلد اول ص ۱۵۰ و نیز جلد سوم ص ۲۸۲

۱۷ۓ فاروقی: چکی نامہ (قلمی نسخہ) مخطوطہ نمبر ۱۱۴ مخزونہ کتب خانہ
ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۱۸ۓ سکھ انجن، (مطبوعہ) مقدمہ ص ۶۴

۱۹۔ نصیر الدین ہاشمی : وضاحتی فہرست سالار جنگ حیدرآباد سنہ ۱۹۵۷ء ص ۱۹۲

۲۰۔ زینت ساجدہ : مضمون دکنی گیت۔ مشمولہ مجلہ عثمانیہ دکنی ادب نمبر ص ۲۱۹

۲۱۔ چکی نامہ (قلمی نسخہ) مخطوطہ نمبر تصوف ۳۶ مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

۲۲۔ نصیر الدین ہاشمی، یوروپ میں دکھنی مخطوطات، سنہ ۱۹۳۲ء حیدرآباد ص ۵۹۰-۵۸۸

۲۳۔ تذکرہ اولیاے دکن، جلد دوم ص ۴۸۰

۲۴۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ۔ ص ۱۳۶

۲۵۔ فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ جلد دوم ص ۲۱۵

۲۶۔ دکن میں اردو، ص ۱۲۷

۲۷۔ سکھ انجن (مطبوعہ) مقدمہ، ص ۶۲۔

۲۸۔ شاہ کمالؒ۔ چکی نامہ (قلمی نسخہ) مخطوطہ نمبر ۶۰۱۱ جدید مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد

۲۹۔ تذکرہ اردو مخطوطات، جلد دوم ص ۳۴

۳۰۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ ص ۲۰۸

۳۱۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم ص ۳۰۲

۳۲۔ قیوم صادق (ڈاکٹر) بیجاپور کی اردو مثنویاں، ص ۱۵۰

۳۳۔ زینت ساجدہ (ڈاکٹر)، دکنی گیت، مجلہ عثمانیہ دکنی گیت ادب نمبر
ص ۲۲۴

۳۴۔ محمد سخاوت مرزا، مضمون، سید شاہ عبدالقادر فی الحال قادری کرنولی،
مشمولہ سہ ماہی اردو بابتہ جولائی ۱۹۵۹ء ص ۷

۳۵۔ فی الحال شاہ قادری، چکی نامہ (قلمی مخطوطہ نمبر ۷۹۰ جدید مخزونہ
کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد

۳۶۔ بازی، چکی نامہ (قلمی مخطوطہ نمبر ۵۰ المنظوم افسانے اردو مخزونہ
کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد۔

۳۷۔ چکی نامہ، (قلمی مخطوطہ نمبر ۱۵۷۴ جدید مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد

۳۸۔ افسر صدیقی، مخطوطات انجمن جلد چہارم ص ۹۵ - ۹۴

۳۹۔ رفیعہ سلطانہ (ڈاکٹر) اردو نثر کا آغاز و ارتقاء، ص ۴۹

۴۰۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم ص ۲۳۵

۴۱۔ محمد سخاوت مرزا، مضمون، مناقب بازی، مشمولہ رسالہ اردو
بابتہ جولائی ۱۹۵۸ء ص ۲۸۶

۴۲۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم ص ۷۷

ختم شد

دکنی شاعری میں سی حرفی کی روایت

دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کے دوران دکنی میں صوفیانہ شاعری کی مختلف اصناف مروّج تھیں۔ مثلاً چکی نامہ" سہیلا۔ حقیقت گیت وغیرہ سی حرفی بھی انہی میں سے ایک ہے۔

" سی حرفی کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر مصرع یا بیت یا بند بالترتیب حروف تہجی سے اس طرح شروع کیا جاتا ہے کہ اہل حرف کی آواز یا نام بھی اس کے ساتھ موجود رہے۔ مثلاً الف سے سی حرفی کی جس بیت یا مصرع کا آغاز ہوگا۔ اس کے پہلے لفظ کا پہلا حرف "الف" ہوگا۔۔ سلہ سی حرفی کی لفظی ترکیب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک فارسی اصطلاح ہے۔ فارسی میں سی کے معنے تیس کے آتے ہیں اس طرح سی

حرفی سے مراد وہ نظم قرار دی گئی جس میں ہر ایک حرف تہجی سے شروع کرکے اشعار لکھے جاتے ہیں ۔

مثلاً الف ایمان اللہ پر لیا وُ ان سب جگ بنایا
ایسی قدرت یہ بھانت رچیا آپس آپ چھپایا (جانم)
ازالف اوّل اتہا ہو نکتہ سُلطان صفی
ابتداء ہوا نتہا کا اسم آپی کر خفی (شاہ سلطان)

سی حرفی کو ڈاکٹر حسینی شاہد[۲] نے اپنی تصنیف "شاہ معظم" میں دکنی کی اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر[۳] نے "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند" میں پنجابی زبان کی مخصوص صنف سخن بتایا ہے ۔ دراَنحالیکہ سی حرفی نہ تو دکنی زبان کی مخصوص صنف سخن ہے ۔ اور نہ پنجابی ہی کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ سی حرفی کی روایت کا اولین سُراغ قدیم عبرانی اور عربی شاعری میں ملتا ہے ۔ مولوی عبدالحق نے اپنی مرتبہ انگلش اردو ڈکشنری * میں لفظ ACROSTIC [توشیح] کی وضاحت میں لکھا ہے کہ قدیم عبرانی شاعری میں حروف تہجی سے گرہ کر کے شعر کہنے کی روایت پائی جاتی ہے ۔ ڈاکٹر سید اسعد علی "ہندی ادب سے بھکتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات میں رقم طراز ہیں ۔

---

* PROF. ABDULHAQ (BABA-E-URDU) THE STANDARD ENGLISH URDU. ENGLISH DICTIONORY-DELHI-1937 PAGE-13

،، عربی ۔ فارسی کی عوامی شاعری میں ۔ ابجد ۔ ہوز (الف ۔ ب وغیرہ) کی ترتیب سے ساتھ اشعار لکھنے کا رواج رہا ہے ۔ جو غالباً تفریح طبع یا مظاہرہ فن کی ایک غیر تحریری شکل تھی ،، ۱۰۴

فارسی میں اس صنف کو ،، الف نامہ ،، کا نام دیا گیا ہے ۔ ہندوستان آنے والے مسلم صوفیا میں ،، الف نامہ ،، کا کافی رواج رہا مسلم صوفیوں اور ،، الف نامے ،، کے زیر اثر ہندوستانی سنتوں نے بھی ہندی حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق اشعار لکھنے کا طرز اختیار کیا اور اس نئی ہیئت کا نام ،، ککہرا ،، یا بارہ کھڑ ،، رکھا ۔ ہندی میں اس کو ،، باون اکھری ،، یعنی باون اچھر (حروف) والی نظم بھی کہتے ہیں ۔ چنانچہ ملک محمد جائسی نے اپنی مشہور نظم ،، اکھراوٹ ،، کی تخلیق ،، الف نامے ،، ہی کے طرز پر لکھی ہے ۔ اسی طرح کبیر داس اور گرونانک صاحب نے الف نامے کو بنیاد بنا کر ککہرے ۱۰۵ لکھے ہیں ۔ اسی طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سی حرفی کی روایت کا آغاز قدیم عربی شاعری میں ہوتا ہے ۔ وہاں سے یہ صنف ایران کی عوامی شاعری میں جگہ بناتی ہے ۔ ہندوستان میں مسلم صوفیا و علما کی آمد کے بعد ہندی اور پنجابی زبانیں فارسی سے اس روایت کی خوشہ چینی کرتی ہیں ۔ پنجابی شاعری میں سی حرفی کا عام رواج پایا

جاتا ہے۔ اس لیے اس کے ادب میں سی حرفی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔
ڈاکٹر فقیر محمد فقیر لکھتے ہیں کہ تقریباً ہر پنجابی شاعر نے سی حرفی لکھی ہے
چنانچہ سلطان باہو، علی حیدر، سید ہاشم شاہ، قادر یار، بر دا پشاوری،
احمد علی سائیاں، ہدایت اللہ لاہوری کے علاوہ رحیم یار، محمد بوٹا گجراتی
باغبان، مسافر اور بابو کرم سب نے سی حرفیاں لکھی ہیں ؎ لیکن اس
کے باوجود یہ کہنا راقم کے نزدیک غلط ہے کہ سی حرفی پنجابی کا مخصوص ادب
ہے۔ اسی طرح یہ خیال بھی بر خود غلط ہے کہ یہ دکنی ادب کی مخصوص صنف
ہے۔ دکنی نے بھی ہندی اور پنجابی کی طرح سی حرفی کی روایت فارسی
کے الف ناموں سے مستعار لی ہے۔

علم بلاغت میں سی حرفی سے ملتی جلتی ایک صنعت پائی
جاتی ہے جیسے توشیح یا موشحہ ـ ACROSTIC کہتے ہیں۔ جس میں چند
شعر اس طرح لکھے جاتے ہیں۔ کہ ہر مصرع کے پہلے حرف کو جمع کر لیں تو کوئی عبارت
یا نام حاصل ہوتا ہے ؎ توشیح اور سی حرفی میں فرق یہ ہے کہ توشیح میں
کسی مخصوص شخص کے نام یا کتاب وغیرہ کے نام میں جتنے حروف تہجی ہوں۔
صرف انہیں سے مصرعوں کا آغاز ہوتا ہے۔ جبکہ سی حرفی میں حروف ابجد کی
مکمل تقطیع استعمال کی جاتی ہے۔ ہر چند کہ سی حرفی کا عمومی موضوع تصوف

ہے اس کے مضامین کا مربوط و مسلسل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کا ہر شعر غزل کی طرح الگ الگ معنی و مطلب کا حامل ہوتا ہے۔ خیال کے اعتبار سے کسی شعر کا سابقہ یا آئندہ اشعار کوئی ربط و تعلق نہیں ہوتا شاعر کو آزادی ہوتی ہے کہ ہر حرف تہجی سے حسب منشا کوئی با معنی لفظ بنائے اور اس سے کسی مصرع کا آغاز کرے۔ ہر شعر کا موضوع و مضمون جداگانہ نوعیت کا ہوتا ہے۔ تاہم ان مضامین اور خیالات کا تعلق چونکہ تصوف و سلوک سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سی حرفی کے اشعار میں ایک قسم کی داخلی وحدت کا احساس ہوتا ہے۔

سوائے حروف تہجی کی پابندی کے سی حرفی کی کوئی مخصوص ہئیت نہیں ہوتی۔ دکنی سی حرفیاں بیشتر مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن بعض ترجیع بند اور ترکیب بند کی ہیئت میں بھی ہیں۔ جو سی حرفیاں الگ مخمّس میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں ہر بند کا پہلا مصرع ترتیب وار نئے حرف سے شروع ہوتا ہے ــــ طویل سی حرفیوں کے بند مربع، مخمس یا مسدس کی ہیئت میں ہو سکتے ہیں۔ اردو رسم الخط میں عربی کے (۲۸) فارسی کے مخصوص چار یعنی پ۔ چ۔ ژ۔ گ اور ہندی کے تین۔ ٹ۔ ڈ۔ ڑ اس طرح جملہ (۳۵) حروف ہیں۔ ان میں چونکہ ڑ سے کوئی لفظ شروع نہیں ہوتا اس لیے اس

میں ۲۸ تا ۳۴ حروف تہجی پر مشتمل سی حرفیاں ملتی ہیں ۔ سی حرفی کی ترکیب و اصطلاح کی توجیہہ مختلف لوگوں نے مختلف انداز سے کی ہے ۔ لیکن یہ ساری توجیہات دور از کار معلوم ہوتی ہیں ۔ اسکی سادہ اور آسان توجیہہ یہ ہے کہ فارسی میں سی کے معنی (۳۰) ہیں ۔ عربی میں حروف تہجی کی روایتی تقطیع از الف تا ی و السّلام بشمول ہمزہ کے (۳۰) حروف پر محیط ہوتی ہے ۔ اس لیے جب حروف تہجی سے کنایہ کرتے ہوئے رموز معرفت اور اسرار حقیقت کو اشعار میں بیان کرنے کا طریقہ رائج ہوا تو اس کیلئے سی حرفی سے زیادہ موزوں اور بہتر اصطلاح کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی ۔۔۔

ڈاکٹر حسینی شاہد لکھتے ہیں کہ ...... یہ صنعت [سی حرفی] شاہ برہان الدین جانم کی دین ہے " ارشاد نامہ " کے آخری حصے میں اس صنعت سے ابتدائی خط و خال کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ۔ ۵۸

راقم کے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ سی حرفی برہان الدین جانم کی دین ہے ۔ اردو کی غالباً سب سے پہلی سی حرفی شاہ علی جیو گام دھنی م ۹۷۳ھ کے مجموعہ " جواہر اسرار اللہ " میں ملتی ہے ۔

پروفیسر نجیب اشرف ندوی ۵۹ اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی اسے اردو کی پہلی سی حرفی قرار دیا ہے ۔ اسی طرح یہ سمجھنا بھی غلط ہے

کہ اس صنف کے ابتدائی خط و خال "ارشاد نامہ" میں ملتے ہیں۔ درحقیقت دکنی میں اس صنف کے ابتدائی نقوش وارتسامات جانم کے والد میراں جی شمس العشاق کی نظم "شہادۃ التحقیق" میں ملتے ہیں جس میں الف کے بجائے "ی" سے بیان حروف کا آغاز ہوتا ہے۔

سیے بے واؤ نون ۔۔ میم لام کاف کون
قاف ف غین عین ۔۔ طا ظا ضاد معین
صاد سین بھی شین ۔۔ یہ حرف شغل کے تین
بھی زر ذال دال ۔۔ یہ ساتوں شغل سنبھال
خ ح جیم ث ۔۔ ت ب الف لیہ

دکن میں سب سے پہلی مکمل سی حرفی جانم کے ملتی ہے۔ دکنی میں جانم کے علاوہ شاہ معظم۔ شاہ امین عرف۔ شاہ تراب۔ شاہ کمال۔ میرن سبزواری شاہ سلطان وغیرہ نے اس قدیم صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

بعض محققین نے شیخ محمود خوش دہاں (خلیفہ جانم) کا نام بھی اس فہرست میں شامل کیا ہے۔ لیکن راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق محمود خوش دہاں نے کوئی سی حرفی نہیں لکھی ہے۔ گجرات کے مشہور صوفی شاعر شاہ علی محمد جیو گام دھنی م ۹۷۳ھ کی سی حرفی جکری کی ہیئت میں ہے۔ یعنی شروع

میں ایک شعر تحت "نکتہ اول در عقادہ" ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہیں۔ اس کے بعد (۲۸) بند ہیں۔ ہر بند تین ہم قافیہ مصرعوں پر مشتمل ہے۔ آخری بند (نکتہ در تخلص) میں شاہ علی جیو کا پورا نام لایا گیا ہے۔ اس سی حرفی میں عربی ابجد کے ۲۸ حروف کے علاوہ "لا" کو بھی ایک حرف متصور کیا گیا ہے۔ اور سب کو ترتیب وار ایک ایک (بعض اوقات ایک سے زائد) بند میں بیان کیا گیا ہے اس سی حرفی کا آغاز الف کے بجائے عین غین اور اختتام بھی عین غین پر ہوتا ہے۔ اس کا مرکزی موضوع وحدت الوجود ہے۔ چند بند نمونتاً درج ہیں۔

میم محمد ہو کر آیا   ولی سو احمد آپ کہایا
وہی احد سب بھیس لیایا

واؤ وہی سب وہی وہی ہے   جے تم دیکھو وہی کہی ہے
دیکھی چاکھی بات کہی ہے

لا تو گھونگھٹ بھاری لیایا   لا تعین ہو آپ چھپایا
احد واحد منہ تفصیل آیا۔ شاہ



بیجاپور کے صوفی شاعر شاہ برہان الدین جانمؒ نے سب سے زیادہ سی حرفیاں لکھی ہیں۔ اب تک ان کی تین سی حرفیاں (۱) نکتہ واحد (۲) فرمان از دیوان (۳) گفتار برہان دریافت ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر نذیر احمد کو ان تینوں نظموں کو ایک ہی نظم کے "تین حصے" ہونے کا مغالطہ ہوا ہے۔ درآنحالیکہ یہ تینوں الگ الگ سی حرفیاں ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین (زیر طبع تاریخ ادب اردو) کے خیال میں۔ نکتہ واحد کی ہیئت کو سمجھنے میں مولوی عبدالحق، ڈاکٹر زور، ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی سارے تسامح کا شکار ہوئے ہیں۔ ان تمام نے نکتہ واحد میں اشعار کی تعداد بارہ بیان کی ہے۔ ان حضرات سے سہو یہ ہوا ہے کہ جس کو انھوں نے دو مصرعوں کا ایک شعر سمجھا ہے دراصل وہ چار مصرعوں کا ایک بند ہے۔ اس کی صحیح ہیئت یہ ہے کہ آغاز میں دو باہم مقفیٰ مصرعوں پر مشتمل ایک شعر ہے اس کے تحت تین تین ہم قافیہ مصرعوں سے بند کہے ہیں۔ ہر بند کے آخر میں مطلع کے مصرعہ اول کی تکرار ہے۔ اس طرح اس سی حرفی کو بہ اعتبار ہیئت ایک مربع ترجیع بند کہا جا سکتا ہے۔ اس میں بھی وحدت الوجودی تصورات کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

نمونہ:-

نکتہ واحد اپیں احد ہے : الف ذات اللہ صمد

ب بیرد پ کر آپیں ایک = تا تمام سوں پر گٹ لیکھ
ث ثابت کر اپسیں دیک = نکتہ واحد ایں احد ہے

جانم کی دوسری سی حرفی "فرمان از دیوان" کا تعارف بھی نکتہ واحد کی طرح سب سے پہلے مولوی عبدالحق[۱۷] ہی نے کرایا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کے کتب خانہ خاص میں مخزونہ ایک مخطوطے کے حوالے سے اس کا نام "فرمان از دیوان" درج کیا ہے۔ اس میں (۲۹) ابیات ہیں عربی کے اٹھائیس حروف کے علاوہ ایک شعر "پ" سے بھی کہا گیا ہے۔ بیت مثنوی کی ہے۔

★

نہ الف ایمان اللہ پر لیا وان سب جگ بنایا ؛ ایسی قدرت یہ بھانت رچا ایس آپ چھپایا
ب بہروپ ان ایسا کہتا باقی اپنا کھیل ؛ بازی کھیلے آپ کھلاوے بہو درچنا میل

★

جانم کی تیسری سی حرفی "گفتار برہان" کا ذکر افسر صدیقی[۱۸] نے اپنے مضمون "سی حرفی معظم" میں کیا ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ "انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانہ خاص میں محفوظ ہے اور اس کتب خانے کی فہرست مخطوطات میں اس کا نام گفتار شاہ برہان" درج ہے جانم کی یہ سی حرفی ترجیع بند کی صورت میں ہے اس میں بارہ بند ہیں اور ہر بند کے ابتدائی تین مصرعے باہم مقفی چوتھا مصرع ٹیپ کا ہے۔

نمونہ : پیا نحتہ پرگٹ آج سجیا ۔ چاؤس پرداکھین کاج کیا

ح جیو میں میرے توہی بسے ۔ ح حاصل مرشد باج کسے
خ خلوت میں توں آپ دسے ۔ پیا نحتہ پرگٹ آج سجیا

جاؔنم کے یہاں ان مستقل سی حرفیوں کے علاوہ "ارشادنامہ" کے آخری حصّے میں بھی جس میں علم لدنّی کے مسائل سمجھائے ہیں سی حرفی کا طرزِ اظہار ملتا ہے ۔ شاہ کریم نے جو بعضوں کے بقول جاؔنم کے اور بعضوں کے بقول میراں جی شمس العشاق کے مرید تھے ۔ ایک سی حرفی ششش مصراعی بند کی ہیئت میں لکھی ہے جس میں ابتدائی چار مصرعوں کے بعد ایک دوہا لایا گیا ہے ۔ ہر بند میں ٹیپ کا پہلا مصرع مشترک ہے ۔ افسر صدیقی نے مضمون "سی حرفی معظم" (رسالہ اردو ۔ اپریل ۶۶ء) میں اس کا نمونہ دیا ہے

الف ایک ایسا رب پیارا ۔ جن پھیلایا جگ سنسارا
کاف نون سے کیا ظہور ۔ ایسا ہے صاحب بھرپور
کریم سمجے تو کیا کہے کچھ بھی کہا نہ جائے ۔ ملا رہے اور نہ ملے تا سوں کہا بسائے

محمد حسینی قادری معظم بیجاپوری عادل شاہی خاندان کے آخری فرماں روا اسکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ – ۱۰۶۷ھ) کے زمانے کے ایک صوفی شاعر گذرے ہیں یہ امین الدین اعلیٰ کے مرید اور قادر لنگا کوتال کے تربیت یافتہ تھے۔ شاہ معظم نے بھی ایک سی حرفی لکھی ہے۔ جس میں انتیس ابیات ہیں۔ ابجد کے اٹھائیس حروف کے علاوہ لام الف (لا) سے بھی گرہ کرکے ایک کہا گیا۔ یہ سی حرفی مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ اور اس میں ہر حرف کا پورا نام جزو شعر ہے تصوف و عرفان کے مسائل اور حقیقت و معرفت کے راز و رموز اس سی حرفی کا موضوع ہیں۔

نمونہ: الف احد میں مخفی تھا جب شوق سوں باہر آیا = حرف حرف میں روپ بدل کر میم کا گھونگٹ لایا

ی یقین جب کیا معظم جب یہ خطاب بلیا = جیسا جس کا خیال اچھے گا ویسا ہی اسکا مایا۔ ۵۲

ڈاکٹر حفیظ قتیل نے اپنی تصنیف "میراں جی خدانما" میں آغا حیدر حسن کے کتب خانہ کی ایک بیاض سے بقول خود انہی کے "دو مثنویاں" نقل کی ہیں۔ دونوں مثنویوں کا کوئی عنوان نہیں ہے۔ دونوں کے سرنامے پر "میراں صاحب خدانما" لکھا ہوا ہے اور آخر میں میراں جی کا نام آیا ہے۔ اس لیے انھوں نے ان نظموں کو میراں جی خدانما کی تصنیف قرار دیا ہے ان میں پہلی نظم سی حرفی کی ہیئت میں ہے۔ تاہم چونکہ اس کے مقطع میں میراں جی کا نام بہ طور تخلص نہیں آیا ہے اس لیے راقم الحروف کے نزدیک میراں جی خدانما سے اس کا انتساب حزم و احتیاط کے منافی ہے۔

میراں جی خدانما دہم سلطنت عبداللہ قطب شاہ (۱۰۸۳ھ – ۱۰۳۵ھ) کے عہد کے ایک بزرگ ہیں انھوں نے بیجاپور جاکر امین الدین اعلیٰ سے بیعت و خلافت حاصل کی تھی۔ یہ سی حرفی تیس اشعار پر مشتمل اسکی ہیئت مثنوی کی ہے اور حروف کے تمام مصرعوں جزو ہیں۔ اسی سی حرفی میں تصوف کے مخصوص مسائل: مثلاً:

احدیت ۔ واحدیت ۔ حقیقت محمدی ۔ ترکِ خودی ۔ عرفانِ نفس
قربِ نوافل ۔ فنافی الشیخ ۔ نفی واثبات ۔ سلوک وشہادت اور فقر
وفاقہ وغیرہ کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے ۔

نمونہ

سین سلوک کا باٹ دکھاوے سو ہے مرشد سورا
شین شہادت شہید ہووے تو او طالب پورا
میم میراں جی مرشد بابا معلوم ہوا تمام
نون نورِ ذاتی ہے جب دیکھیا ہو بیرا امام" ۲۱؎

شاہ سلطان دکنی سے ایک بلند پایہ لیکن مجہول الاحوال شاعر ہیں۔ بعض محققوں
نے انھیں گولکنڈے کا اور بعض نے انھیں بیجاپور کا باشندہ بتایا ہے۔
ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں ان کا ایک ضخیم دیوان محفوظ ہے ۲۲؎ "
جس میں غزلیات کے آخر میں ایک سی حرفی درج ہے۔ شاہ سلطان کی سی
حرفی میں تیس ابیات ہیں جس میں الف تا ی ترتیب وار ستائیس حروف
تہجی مذکور ہوئے ہیں۔ سوائے "عین" کے جو نجانے کیوں محذوف ہے۔ یہ
قصیدے کی ہیئت میں ہے اور دکنی کی عام سی حرفیوں سے برخلاف اس

میں یہ التزام برتا گیا ہے کہ جس حرف کا جو شعر ہے اس کا نہ صرف مصرعۂ اولیٰ بلکہ مصرعۂ ثانی بھی اسی حرف سے شروع ہو۔ مضامین کے تنوع اور دقت کے اعتبار سے یہ دکنی کی سب سے عسیر الفہم اور دقیق سی حرفی ہے۔

نمونہ:

از الف اول انتہا ہو نکتہ سلطانِ صفی = ابتدا ہو را نتہا کا اسم آپی کر خفی
بے بقا کی بے خودی لے پس بخود بیہوش ہو = بے ندا ہور بے جسد تھا بھول اپنی آپ خودی

شاہ تراب (ولادت ۱۱۳۰ھ ہجری) ایک سیلانی صوفی اور دکنی کے ایک پُر گو شاعر تھے۔ دیوان کے علاوہ کئی مثنویاں ان سے یادگار ہیں۔ یہ امین الدین اعلیٰ کے پڑپوتے پیر پاشاہ حسینی کے مرید تھے۔ ان کے دیوان میں ایک سی حرفی بھی شامل ہے۔ اس میں انتیس اشعار ہیں۔ اٹھائیس اشعار میں اٹھائیس حروف تہجی از الف تا ی ترتیب سے مذکور ہیں۔ انتیسواں شعر تخلص کے لیے کہا گیا ہے۔ حرف کا پورا نام جزو شعر ہے ہیئت مثنوی کی ہے اور اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس حروف سے جو شعر شروع ہو اس میں زیادہ تر الفاظ ایسے لائے جائیں جو اسی حرف سے شروع ہوتے ہوں۔

⁂ ⁂ ⁂

نمونہ: الف اللہ آپ الٰہی اپروپ اونکار
احد نرگن اروپ نرنجن انتہ کرن کرتار
نے تعین اول تراتن تتو! استہول
ترکٹی ترمورتہ جسنے تربہسنی ترمول ؎۲۳



شاہ کمال (م ۱۲۲۴ھ) کڑپہ کے مشہور صوفی شہ میر کے چھوٹے بھائی اور مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے دیوان "مخزن العرفان" کے آخری حصے میں ایک سی حرفی بعنوان "نظم الف تای" درج ہے۔ شاہ کمال کی سی حرفی سولہ ابیات پر مشتمل ہے جس میں انھوں نے اٹھائیس حروف ابجد کا بیان نظم کیا ہے۔ یہ مثنوی کی ہیئت میں ہے اور اس میں انھوں نے تصوف کے دقیق مسائل مثلاً ذات و صفات۔ تنزیہہ و تشبیہہ۔ وجوب و امکان۔ کثرت و وحدت غیب و ہوئیت۔ لا و اثبات وغیرہ سے بحث کی ہے۔

نمونہ

صاد صادق ہو کر چہ اے محبوب = ضاد ضامن ہو کر چہ کچہ مطلوب
طوے کر طلب ہور کچہ مطلوب = ظوے سے ظلم نہ کر تو اب سے خوب
عین سے عارف ہو بتایا ہوں = الف اللہ میں بھید پایا ہوں

کتب خانہ آصفیہ میں مخزونہ ایک قلمی بیاض [مخطوطہ نمبر ۴۰۸ جدید] میں فرید تخلص رکھنے والے ایک شاعر کی سی حرفی ملتی ہے۔ فرید کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔ اسی سی حرفی کی داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے مرشد کا نام حیدر تھا۔ اسی بیاض میں فقیر اللہ شاہ کے کسی گم نام مرید کی سات نظمیں مرقوم ہیں۔ جو سیکھڑای بھو کی طرز پر ہیں۔

ممکن ہے یہ فقیر اللہ شاہ وہی ہوں جن کا پورا نام فقیر اللہ شاہ حیدر ہے۔ اور دکنی میں دو تصانیف قصہ تنا ولی اور نظم انور یادگار ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ زیر نظر سی حرفی کا مصنف فرید بھی انھیں کا مرید تھا۔

فرید کی سی حرفی میں کاتب نے بیشتر مقامات پر املا کی غلطیاں کی ہیں۔ یہ سی حرفی مسدس کی ہیئت میں ہے جو پانچ بندوں پر محتوی ہے پہلے بند میں شاعر نے ہادی و مرشد اور آخری بند میں خود اس کا تخلص دیکھا جا سکتا ہے:-

پہلا بند :
الف اللہ کا جب تجھایا ہوں
ب سے بسم اللہ کو اٹھایا ہوں
ت سے توبہ میں جب [سے] لایا ہوں
ث سے ثابت قدم جھکایا ہوں

ن جب سے جمال پایا ہوں
ح میں حیدر کا حمد لایا ہوں

آخری بند۔ ن یا نے [یعنی] نفی ہے بات فرید
و واحد خدا کی ذات فرید
ہ سے ہادی کی ہیسگی بات فرید
ی سے رہتا ہے یاد سات فرید
نفس دشمن سے جنگ مچایا ہوں
دل کو کعبہ کا حج کرایا ہوں

کتب خانہ آصفیہ کی محولہ بالا قلمی بیاض ہی میں برکت نامی شاعر کی بھی ایک سی حرفی درج ہے۔ برکت کے حالات بھی پردۂ خفا میں ہیں۔ برکت کی پیش نظر سی حرفی اٹھائیس ۲۸ ابیات پر مشتمل ہے۔ زبان پر کھڑی بولی کا اثر غالب ہے۔ اشعار ہندی بحر اور ہندی آہنگ میں ہیں اور خیالات پر بھی ہندی روایت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔



الف گواہی دے رہا ہے ذات صفات کے مانہہ
جیسے باس جو پھول کی پھیلے پھولوں مانہہ

ث ثابت پچھان یوں جوں ناجن میں نہاؤ
جوگیانی اگیان سہے سُرتا ہو کر بیّاؤ
ج جوز جگدیش سے بڑی سبھن کے بیچ،
ایکوں نرمل نر بیشے ایکوں گرلی کھینچ
ی یاد سب ایک رکھ دو جا سب کچھ بھول
برکت کہتے یقین بن پچھولا پھرے سمول

قدیم بیاضوں میں مجہول الاحوال شعراء کی متعدد سی حرفیاں ملتی ہیں مثلاً : کتب خانہ آصفیہ میں مخطوطہ نمبر ۱۱۰۷ ایک مجموعہ رسائل ہے جس میں مختلف شعراء کی نظمیں کے علاوہ بعض نثری رسائل بھی مرقوم ہیں اس قلمی بیاض میں ورق ۳۷ الف سے ورق ۲۹ ب تک ایک طویل سی حرفی درج ہے۔ یہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ اور ایک سو سات[107] ابیات پر مشتمل ہے لیکن کسی شعر سے مصنف کے متعلق کوئی داخلی شہادت نہیں ملتی۔ اس میں عربی کے اٹھائیس حروف کے علاوہ نکتے اور لا کا بھی ذکر ہے۔ ذیل میں کچھ چیدہ چیدہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

الف اللہ اسم ذات = سارے حرفاں اسکی صفات
ج جمال نکتے کا نور = جیم کے پیٹ میں نکتہ نور

ح خالی نکتے سے دستا = نکتہ اس کے اندر لبستا

غ غیب الغیب = وہ نکتہ ہے لاریب

ک ہے کلام اللہ = وہ نکتہ کعبۃ اللہ

نوائے ادب بمبئی کے ایک شمارے بابتہ جولائی ۱۹۵۷ء میں "اوراق پارینہ" کے مستقل عنوان کے تحت [پروفیسر] ابوالفضل سید محمود قادری ایم۔ اے (پی۔ ایچ۔ ڈی) نے انجمن میں مخزونہ اردو کی ایک نایاب قلمی بیاض سے ایک قدیم نظم کا متن مع فرہنگ شائع کروایا ہے۔ فٹ نوٹ میں انھوں نے لکھا ہے کہ" یہ حمد بھی بلا مقطع ہے۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ کس شاعر کی ہے۔ اس حمد میں شاعر نے حروف تہجی سے شروع ہونے والے اسماء وصفات الٰہی گنائے ہیں۔ .... اس نظم پر سوائے دکھنی کے مرہٹی یا گجراتی زبانوں کا اثر نہیں معلوم ہوتا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے تو زیادہ غلط نہ ہوگا کہ یہ کسی دکھنی شاعر کی نظم ہے" [۲۷] یہ نظم بھی دراصل سی حرفی ہے جو ترجیع بند کی شکل میں ہے یہ چار چار مصرعوں سے انتیس بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں تین مصرعے ہم قافیہ ہیں اور چوتھا مصرع ٹیپ کے طور پر دہرایا گیا ہے

اس سی حرفی میں عربی کے اٹھائیس حروف ابجد کے علاوہ لام الف (لا) کو بھی برتا گیا ہے۔

نمونہ :-

الف ایک النکار توں
سب جگ سرجن ہار توں
ٹھاکر بڑا کرتار توں
سبحان جل جلالہ

ب بڑا سبحان توں
سب جان میں پہچان توں
سمرت سچا سلطان توں
سبحان جل جلالہ

ث ثنا تج سے کیجئے
مھک ناؤ تیرا لیجئے
جیو وار تج پر دیجئے
سبحان جل جلالہٗ



ادارہ ادبیات اُردو (حیدرآباد) میں مخزونہ ایک قدیم بیاض سے بھی (مخطوطہ ۲۱۵) سے راقم الحروف کو ایک سی حرفی دستیاب ہوئی ہے اس بیاض میں عبداللہ قطب شاہ معجز اور محی الدین کا کلام بھی شامل ہے۔ زیر بحث سی حرفی اس بیاض کے ورق (۳۴) پر نثر کی طرح لکھی گئی ہے۔ حتیٰ کہ مصرعوں کے درمیان خط فاصل بھی نہیں ہے۔ بیاض میں اس سی حرفی کے فوراً بعد حضرت شاہ من عرف (مرید حضرت امین الدین اعلیٰ) کا ایک ترجیع بند مرقوم ہے۔ اس لیئے امکان ہے۔ کہ یہ سی حرفی بھی شاہ من عرف ہی کی تصنیف ہو۔ اس سی حرفی میں اسمائے الہٰی کی اور اس کے بعد کی نظم میں صفات الہٰی کی تشریح کی گئی ہے۔ اس لیئے قرینہ ہے کہ دونوں کو ایک ہی شاعر کی تخلیق مانا جائے یہ سی حرفی ترجیع بند کی شکل میں ہے۔ اس میں دس بند ہیں۔ اور ہر بند چار مصرعوں پر مشتمل ہے۔ جن میں ابتدائی تین مصرع ہم قافیہ اور چوتھا مصرع بطور ٹیپ لایا گیا ہے۔ اس میں اٹھائیس حروف ابجد کے علاوہ لا اور ۶ بھی مذکور ہیں۔ نمونہ:

الف اللہ ظاہر نور دسے، = ب باطن ہو کر آپ بسے

ت تج بن نہیں کوئی کسے، = دیک وہی وہی دیک وہی وہی

ث ثابت ہو کر کر سجود ۔ ج جام اس میں ہے موجود
ح حق سوں مل حق اچھے وجود ۔ دیک وہی وہی ....

★

مذکورالصدر شعراء کے علاوہ مولوی افسر صدیقی نے اپنے مضمون " سی حرفی معظم " میں شاہ دجہن ۔ شاہ محمد غوث اور شاہ کریم کی سی حرفیوں کا ذکر کیا ہے ۔ اور نمونہ بھی درج کیا ہے ۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شعراء دکن کے باشندے نہیں تھے ان کی زبان پر کھڑی بولی اور اردو کی چھاپ واضح ہے ۔ چونکہ ہمارا موضوع صرف دکھنی سی حرفیوں کا حصار کرتا ہے ۔ اس لیئے ان شعراء کی سی حرفیوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جارہا ہے ۔

[آندھراپردیش اورنیٹل ریسرچ جرنل حیدرآباد ۔ جنوری تا جون ۱۹۹۰ء]

پس نوشت

راقم الحروف کو برہان اور گوہر نامی شعراء کی سی حرفیاں بھی دستیاب ہوئی ہیں ۔ ذیل میں ان کا تعارف درج کیا جارہا ہے ۔

سی حرفی برہان : برہان (م ۱۲۹۰ھ) کا پورا نام سید برہان اللہ قادری تھا یہ اصلاً قندھار شریف (ناندیڑ) کے باشندے تھے بعد کو اودگیر گئے اور وہاں

سے وارد حیدرآباد ہوئے۔ یہاں انھوں نے پنچھی کی براق میں سکونت اختیار کی اور مناقب بازی میں نام پیدا کیا کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں مخزونہ ایک ضخیم قلمی بیاض میں جو تقریباً پندرہ سو صفحات پر مشتمل اور دو جلدوں (مخطوطہ نمبر ۶۵۱، ۶۵۰) میں شیرازہ بند ہے سیدی برہان اور ان کے شاگردوں کا کلام درج ہے۔ اسی بیاض (مخطوطہ ۶۵۱) کے ورق ۲۸۴ پر برہان کی سی حرفی ''مناقب برہان'' کی سرخی کے تحت مرقوم ہے۔

برہان کی سی حرفی مسدس کی شکل میں ہے جس کے ابتدائی چار مصرعے ہم قافیہ ہیں پانچویں مصرعے کا قافیہ الگ ہے ہر بند میں چھٹے مصرعے کی تکرار کی گئی ہے۔ کل آٹھ بند ہیں جن میں عربی کے اٹھائیس حروف کے علاوہ ہمزہ اور والسلام بھی مذکور ہوئے ہیں۔ نمونہ:۔

یہ بھی آک یادگار ہم سے لے * اپنے طالبوں سے (کو) لے کر دے
مجھ کو نعمت ملی ہے مرشد سے * ٹک ذرا دل کے گوش سے سن لے
مت بھٹکتا ادھر ادھر کو پھر (دے) * یاد رکھ عشق کی الف بے تے

سی حرفی گوہر گوہر سیدی برہان کے شاگرد تھے۔ یہ برہان کے بنائے ہوئے مناقب بازوں کے گروہ ''جوق اشارہ'' کے رکن تھے ان کا کلام بھی ادارہ ادبیات کی محولہ بالا بیاض میں محفوظ ہے اس بیاض سے راقم الحروف کو

گوہر کی دو سی حرفیاں دستیاب ہوئی ہیں ۔ پہلی سی حرفی ورق ۲۸۳ پر درج ہے یہ چار چار ہم قافیہ مصرعوں کے سات بندوں پر مشتمل ہے اس میں عربی کے حروف تہجی کے علاوہ ہمزہ لا اور والسلام کا بیان کیا گیا ہے ۔ البتہ وہ ی کے اشعار ندارد ہیں ۔ نمونہ :۔

منقبت خوانوں مناقب وہ کہو گر دھیان ہے
جس میں کل عرفان سے عرفان کا سامان ہے
بس الف ب کی الف کات جو وہ توتان ہے ۔ (کذا)
ث سے ثابت ج جاہل جہل میں غلطان ہے

گوہر کی دوسری سی حرفی بھی اسی بیاض کے ورق ۲۸۴ پر درج ہے ۔ سید برہان الدین کی سی حرفی کی طرح یہ بھی چھ چھ مصرعوں کے آٹھ بندوں پر مشتمل ہے ۔ ہر بند میں شروع کے چار مصرع کی ترجیع ملتی ہے ۔ اس میں خ د ذ ر ز کے اشعار موجود نہیں ہیں البتہ ہمزہ لا اور والسلام کا ذکر موجود ہے ۔ نمونہ :۔

اے دل اول (ہے) خالق سبحان ؎ ہے محمد کی بعد عیاں
کیوں ہے ناحق جہاں میں سرگرداں ؎ پہلے اسم خدا الف پہچان
ارے غافل سمجھ تجھے ہے کہاں ؎ ب سے باریک ہے سمجھ عرفاں

حوالہ جات

۱۔ افسر صدیقی : مضمون "سی حرفی معظم" مشمولہ رسالہ اردو سہ ماہی اپریل ۱۹۶۶ء ص ۲۹

۲۔ ڈاکٹر حسینی شاہد : شاہ معظم "حیدرآباد ۱۹۷۸ء ص ۴۶

۳۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر : تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۱۲ (جلد اول) دوسرا باب (فصل دوم) لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۳۱/۲۲۹

۴۔ ڈاکٹر سید اسد علی : ہندی ادب کے بھگتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات" مترجم ڈاکٹر ماجدہ اسد۔ دہلی ۱۹۷۹ء ص ۲۸۶

۵۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر : تاریخ ادبیات .... جلد ۱۳ (جلد اول، دوسرا باب (فصل دوم) ص ۲۳۰

۶۔ سید جلال الدین احمد جعفری "نسیم البلاغت، ص ۹۱ — ۹۰

۷۔ شاہ معظم : ص ۹۴

۸۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی "علی گڑھ تاریخ ادب اردو۔ علی گڑھ ۱۹۶۲ء ص ۱۱۱

۹ ـ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو ۔ جلد اول، دہلی ۱۹۷۷ء ص 115

۱۰ ـ شاہ علی جیوگام دھنی ۔ جواہر اسرار اللہ (قلمی) مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، مخطوطہ نمبر ۱۶۶۹ تصوف ص ۱۲۴ ـ ۱۲۷

۱۱ ـ ڈاکٹر نذیر احمد ۔ علی گڑھ تاریخ ص ۲۲۷

۱۲ ـ مولوی عبدالحق، حضرت شاہ برہان الدین جانمؔ مشمولہ، رسالہ اردو جولائی ۱۹۲۷ء بازطباعت قدیم اردو کراچی ۱۹۶۱ء ص نمبر ۲۹

۱۳ ـ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ، اردو شہ پارے حیدرآباد ۱۹۲۹ء ص ۳۲

۱۴ ـ علی گڑھ تاریخ ص ۲۲۷

۱۵ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو جلد اول ص ۲۰۶

۱۶ ـ مولوی عبدالحق قدیم اردو ۔ ص ۳۰

۱۷ تاریخ ادب اردو ۔ جلد اول ۔ ص ۳۰۵

۱۸ ـ افسر صدیقی ۔ سی حرفی معظم مشمولہ رسالہ اردو بابتہ اپریل ۱۹۳۶ء ص ۲۹

۱۹ ـ محمد اکبر الدین صدیقی، مرتب ارشاد نامہ حیدرآباد ۱۹۷۱ء مقدمہ ص ۵۰

۲۰ ۔ سی حرفی معظم (قلمی) مخطوطہ نمبر ۱۸۲۶ (جدید تصوف کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد)

۲۱ ۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل "میراں جی خدانما" حیدرآباد ۱۹۶۱ء ص ۱۱۲

۲۲ ۔ شاہ سلطان، دیوان (قلمی) مخطوطہ ۲۱۵ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۲۳ ۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش، دیوان تراب، کراچی ۱۹۸۲ء

۲۴ ۔ شاہ کمال، مخزن العرفان (قلمی) مخطوطہ ۱۶۲۳ جدید کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد

۲۵ ۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ، تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول حیدرآباد ۱۹۴۳ء ص ۳۰۲ ۔ ۳۰۱

۲۶ ۔ مخطوطہ نمبر ۷۰۶ مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۲۷ ۔ ڈاکٹر سید ابوالفضل سید محمود قادری ۔ اوراق پارینہ، مشمولہ نوائے ادب (بمبئی) بابتہ جولائی سنہ ۱۹۵۷ء ص ۴۷



دکنی ادب کی چند متروک اصناف

اردو کے دکنی دور میں متعدد ایسی ادبی اصناف نظر آتی ہیں جو ایک شاندار طویل اور مستحکم روایت کی حامل تھیں لیکن زبان کے ارتقاء نیز سیاسی، سماجی اور تہذیبی تغیرات کی وجہ سے ان کی روایت کی توسیع نہیں ہو سکی، فکر و فن کی نئی قدروں اور تخلیق و تنقید کے نئے منظر نامے میں ان اصناف کی معنویت ختم ہو گئی۔ اور وہ رفتہ رفتہ متروک ہوتی چلی گئیں۔ دکنی کی ان قدیم اصناف ادب میں جکری حقیقت۔ سہیلا۔ سی حرفی چکی نامے۔ چرخہ نامہ۔ پھکڑی۔ لوری نامے۔ نور نامے وغیرہ شامل ہیں۔ اول الذکر چار اصناف پر راقم الحروف نے پروفیسر گیان چند جین کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ حوالہ قلم کر کے سنٹرل

یونیورسٹی آف حیدرآباد سے ایم۔فل کی سند حاصل کی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں دکنی کی تین ایسی مرحوم اصناف کو موضوع بنایا گیا ہے جو نہایت غیر معروف ہیں حتیٰ کہ ان کا نام جاننے والے بھی خال خال ہی ہیں۔ یہ اصناف ہیں۔ (۱) برہنی (۲) چار کرسی (۳) کھاڑا۔

برہنی

برہنی دکنی ادب کی ایک متروک صنفِ سخن ہے۔ دکنی ادب کی تواریخ اور تذکروں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ اس صنف کے بارے میں اولین معلومات ہمیں دکنی کے یگانہ روزگار ادیب و شاعر اور متبحر عالم مولوی محمد باقر آگاہ (۱۱۵۸ھ تا ۱۲۲۰ھ) کے دیوان کے دیباچے کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں۔ آگاہ نے اپنی مثنویوں کی طرح دیوان کے آغاز میں بھی ایک طویل اور مبسوط نثری دیباچہ قلم بند کیا ہے [باقر آگاہ کے دیوان کا یہ دیباچہ پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنے مقالہ "باقر آگاہ" [مشمولہ رسالہ اردو بابتہ اپریل ۱۹۲۹ء] میں بہ تمام و کمال نقل کیا ہے۔ راقم الحروف نے اسی سے استفادہ کیا ہے] اس میں انھوں نے اقسامِ شعر مثلاً قصیدہ۔ تشبیب۔ مسمط۔ ترجیع۔ مثنوی۔ غزل۔ رباعی وغیرہ کی تعریف اور ان کے موضوعات و لوازمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مثنوی کی بحث میں برہنی کا بھی ذکر کیا ہے ان کا بیان ہے کہ مثنوی میں ایک خوش اسلوب درزن شیخ بہاء الدین عالم نے ایجاد کیا ہے۔ اور اس وزن میں لکھی ہوئی مثنوی نہایت

مرغوب واقع ہوتی ہے۔ یہ وزن عرب میں بھی مطبوع و مانوس تھا۔ عربی زبان میں کئی قصائد اس وزن میں ملتے ہیں۔ عربی میں اس کا نام "رکض الخیل وصوت الناقوس" ہے۔

آگے وہ خبر دیتے ہیں کہ دکن کے بعض شعرا نے بھی اس وزن میں طبع آزمائی کی ہے۔ انھوں نے اسے برہنی یا درسنی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ باقر آگاہ کی صراحت کے بموجب برہنی یا درسنی کی ہیئت اس طرح ہوتی ہے کہ پہلے پانچ مصرع ایک قافیے میں لکھے جاتے ہیں۔ پھر دو مصرع دیگر قافیے میں اس طرح کئی بند نظم کیئے جاتے ہیں۔ اور بیشتر ہر بند میں آخری دو مصرع ترجیع بند کی طرح دہرائے جاتے ہیں۔

باقر آگاہ نے اپنے دیوان کے اس دیباچے میں شاہ اعظم قدس سرہ کی برہنی کا ایک بند بہ طور نمونہ درج کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ مذکورہ شاہ اعظم کون بزرگ ہیں اور کس عہد و علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہر چند کہ برہنی یا درسنی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں باقر آگاہ نے کوئی وضاحت نہیں کی ہے تاہم جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے برہنی کی اصل ہندی لفظ برہا ہے جس کے معنی ہجر و فراق کے ہیں۔ اسی طرح درسنی کی اصل بھی ہندی لفظ درشن ہے جس کے معنی جلوہ یا دیدار کے آتے ہیں۔ راقم الحروف کے خیال میں برہنی میں برہ یا ہجر و فراق کی کیفیات کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ اور درسنی میں وصل و ملاقات کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔

برہمی کا وزن ۔ ہیئت اور موضوع تینوں متعین ہیں۔ باقر آگاہ نے برہمی کا جو نمونہ دیا ہے اور راقم الحروف کو اس صنف کے جو دیگر نمونے ملے ہیں وہ سب ایک ہی وزن "مفعول مفاعیلن فعلن" میں پائے گئے ہیں ۔ اور ہر نمونے میں ایک برہنی یا فراق زدہ عورت کی طرف سے ہجر کے صدمات اور برہ کی سوزش اور جلن کو اشعار کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے ۔ یہ اسلوب ہندی گیتوں کی صدیوں پرانی روایت کی یاد دلاتا ہے ۔

اردو میں برہمی سے ملتی جلتی ایک اور صنف بھی پائی جاتی ہے جسے "بارہ ماسہ" کہتے ہیں ۔ اس میں "ایک فراق زدہ ہندو عورت کے جذبات اسی کی زبان میں پیش کئے جاتے ہیں جس کا شوہر اسے چھوڑ کر کہیں باہر چلا گیا ہے ۔ اور وہ اس کے فراق میں تڑپتی ہے ۔ سال کے ہر مہینے میں وہ اپنی تڑپ طرح طرح سے اپنی زنانی بولی میں ظاہر کرتی ہے ۔ (۱) بارہ ماسہ" میں سال کے مہینوں ـــ موسموں ۔ اور تہواروں کی خارجی کیفیات کے پس منظر میں ہجر کی آگ میں جلتی ہوئی برہن اپنے داخلی جذبات کا اظہار کرتی ہے ۔ جہاں تک برہمی کا تعلق ہے اس میں مہینوں موسموں اور تیوہاروں کی رونقوں اور رنگینیوں کا بیانیہ نہیں ہوتا

بارہ ماسہ میں سال کے آخری مہینے میں برہ کی ماری عورت کا شوہر پردیس سے واپس آجاتا ہے اور اس کا درد و کرب عیش و طرب میں بدل جاتا ہے

برہمنی میں ایسا کچھ نہیں ہوتا

بارہ ماسہ" کے لئے وزن کی کوئی قید نہیں۔ اردو میں" بارہ ماسے" مثنوی کی ہیئت میں، لکھے گئے ہیں۔ برہمنی کے لئے وزن کا تقید ہے اور اس کی ہیئت مقرر ہے۔

برہمنی کا پہلا معلوم نمونہ ہمیں بیجاپور کے عادل شاہی خاندان کے آٹھویں حکمران سلطان علی عادل شاہ ثانی شاہی [سنہ جلوس ۱۰۶۷ھ سنہ وفات ۱۰۸۳ھ] کے کلیات میں دستیاب ہوتا ہے۔ شاہی کا یہ کلیات ڈاکٹر زینت ساجدہ اور ڈاکٹر مبارز الدین رفعت نے اپنے مبسوط اور فاضلانہ مقدمات کے ساتھ الگ الگ مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ کلیات شاہی میں اسے "برہمنی مخمس" کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر مبارز الدین رفعت رقمطراز ہیں۔ "موجودہ حالات میں اس مخمس کے بارہ بند ہیں غالباً ایک دو بند اس میں اور تھے جو کلیات کے قلمی نسخے کے کچھ اوراق کے گم ہو جانے کی وجہ سے ضائع ہو گئے ہیں۔ ہر بند کی ابتدا میں ٹیپ کا ایک شعر دہرایا ہے۔ اس مخمس میں ایک فراق زدہ عورت کی کیفیات قلبی خود اسی کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ چھوٹی بحر رواں دواں قافیوں اور سلیس الفاظ کی وجہ سے اس نظم میں ایک دلکش ترنم ہے خیال اور الفاظ کے لحاظ سے اس نظم پر بھی ہندی شاعری کا اثر غالب دکھائی دیتا ہے ؂۵: ڈاکٹر زینت ساجدہ کے خیال میں "برہمنی مخمس بھی دراصل گیت ہی ہے

بڑا اپنے نرم و نازک لہجے، البیلے اسلوب، سوز و گداز اور تخاطب کے فطری انداز کی وجہ شاہی کے کلام میں منفرد مقام رکھتا ہے۔" ۳۳ مذکورالصدر دونوں مرتبین اس تضاد سے گذر گئے کہ ایسی نظم جس کے ہر بند میں مع ٹیپ کے شعر کے سات مصرع ہوں "مخمس" کیسے ہوسکتی ہے۔ درحقیقت زیر بحث نظم نہ مخمس ہے اور نہ ہی کوئی گیت بلکہ "برہنی" ہے۔ ذیل میں شاہی کی اس برہنی کا پہلا اور آخری بند درج کیا جاتا ہے

دل میرا اپنے سات کیا — مج برہے میں دن رات کیا

دل داری کی نا بات کیا — سب لبیرا سکھ ہیہات کیا

کی مج سوں ایسی دھات کیا

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات — میں نیہہ بندی توں کیتا گھات

پنتھ پرت میں جے پا گیا ہے — سب رین برہ بن جا گیا ہے

دل آپنا لے دا گیا ہے — سکھ چھوڑ دے نفس بھاگیا ہے

اب شاہی برہے لاگیا ہے

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات — میں نیہہ بندی توں کیتا گھات

مولوی اکبرالدین صدیقی نے دکنی ادب پر اپنے تحقیقی مضامین کے مجموعے، "بجھتے چراغ" میں بریدی تخلص رکھنے والے ایک مجہول الاحوال شاعر کی دو نظمیں نقل کی ہیں۔ جو انھیں کتب خانہ قادری محل (بیجاپور) کی ایک بیاض میں دستیاب ہوئی تھیں۔

صدیقی صاحب کے بقول کسی تذکرہ یا تاریخ میں برہدی کا ذکر نہیں ملتا البتہ ان کے خیال میں وہ بارہویں صدی کی ابتداء میں موجود تھا۔ برہدی کی محولہ بالا دو نظموں میں ایک کا عنوان برہنی فراق اور دوسری کا برہنی وصل ہے۔ صدیقی صاحب رقم طراز ہیں کہ "اسی دور میں چند اور شعراء نے بھی اس کو موضوع بنا کر طبع آزمائی کی ہے۔ ۵ برہدی کی "برہنی فراق" میں سات بند ہیں ان کی ہیئت وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے یعنی پانچ مصرعے ایک قافیہ میں اور ٹیپ کے دو مصرعے دوسرے قافیے میں۔ اس کا پہلا اور آخری بند ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

لکھ پیو کن میرا عرض کروں　　　مکھ دیکھن تیرا فرض دھروں

پیو امر ترا میں فرض کروں　　　اور واجب ہے کہ قرض بھروں

بن دیکھے پیو ہو مرض مروں

پیا درسن اپنا دان کرو　　　یو مشکل منجہ آسان کرو

پیو عرض سنو ایک مری ہے　　　منجہ آساں تیری پھیری ہے

یو برہدی داس ہو اچیری ہے　　　تس برہ نگر کی پھیری ہے

تو اس کا پیو اد تیری ہے

پیا درسن اپنا دان کرو　　　یو مشکل منجہ آسان کرو

برہنی وصل: برید کی ایک نظم برہنی وصل کے نام سے بھی پائی جاتی ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں برہنی وصل "دراصل" "داہنی" ہی کا ایک اور نام ہے جس میں پیا کے درشن کی روداد اور اس سے وصل کی حکایت نظم کی جاتی ہے۔ اس برہنی میں برید نے اپنا تخلص "ببر" استعمال کیا ہے۔ یہ سات بندوں پر مشتمل ہے۔ جس میں ابتدائی پانچ مصرع ہم قافیہ ہیں۔ اور آخری دو مصرع دوسرے قافیہ میں ہیں۔ ہر بند میں ان دو مصرعوں کی تکرار ملتی ہے۔ اس برہنی کا ابتدائی اور آخری بند نقل کیا جاتا ہے۔

پیو آنے کی سدھ پائی میں ۔۔۔ تن راحت چکسالائی میں
سر جسم سوں تونہائی میں ۔۔۔ سب گہنا تن پر بھائی میں
یوں بن کر پیو کن دھائی میں
پیا درسن اپنا دان کیئے ۔۔۔ یوں مشکل منج آسان کیئے

رب منج پر نی احسان کیا ۔۔۔ خوش درسن اپنا دان کیا
پھر ملنے کا امکان کیا ۔۔۔ او بخشش منج ایمان کیا
تب جیو ببر ید قربان کیا
پیا درسن اپنا دان کیئے ۔۔۔ یو مشکل منج آسان کیئے

باقر آگاہ نے اپنے دیوان کے محولہ بالا دیباچے میں شاہ اعظم قدس سرہ کی برہنی کا ایک بند بطور نمونہ درج کیا ہے۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ "یہ درسنی عجیب لطافت و رنگینی اور معرفت اور محبت کی چاشنی رکھتی ہے۔" اس کا نمونہ ذیل میں مرقوم ہے۔

رنگ راتی جگ گلفام ہوئے ماہ ماتی سیئے آشام ہوئے
گل نرگس رنگین جام ہوئے من جیون کو آرام ہوئے
یک درسن میں کئی کام ہوئے

اس مورت کی بلہاری ہوں جس دیکھت بدبل باری ہوں

دکن کے صوفی شعرا نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے انھوں نے ہجر و فراق کے مضامین میں حقیقت و معرفت کی خوب رنگ آمیزی کر کے مجاز کو حقیقت کا آئینہ بنایا ہے۔ باقر آگاہ اطلاع دیتے ہیں ان کے پیر و مرشد سید ابوالحسن قادری قربی [۱۱۰۸ھ تا ۱۱۸۲ھ] نے شاہ اعظم کی برہنی کے جواب ایک برہنی اور ایک درسنی لکھی ہے۔ انھوں نے قربی کی درسنی کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

میں پیو میں اپس کو فنا کری میں مرنے کے آگیچ مری

شاہ قربی کے دیوان کا ایک مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں مخزونہ ہے

(مخطوطہ ۱۹۵ دواوین) لیکن اس میں کوئی برہنی شامل نہیں ہے۔ قربی کے مطبوعہ دیوان مرتبہ پروفیسر سید محمد فضل اللہ میں بھی کوئی برہنی نہیں ہے۔ البتہ ان کے کلیات کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) کے کتب خانہ خاص میں مخزونہ ہے۔ کتب خانہ مذکور کی وضاحتی فہرست کے مرتب مطلع کرتے ہیں کہ قربی کی کلیات کے اس مخطوطے کے آخر میں دو برہنیاں بھی مرقوم ہیں ۵۷ ؛ افسوس کہ انھوں نے ان برہنیوں کا کوئی نمونہ نہیں دیا۔

کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو (حیدرآباد) میں مخزونہ ایک بیاض اشعار میں جس کا مخطوطہ نمبر ۱۲۸ - ج ہے۔ حیرت تخلص رکھنے والے کسی دکنی شاعر کی ایک برہنی کے پانچ بند درج ہیں یہ برہنی ناقص الاول ہے۔ پتہ نہیں یہ کون حیرت ہیں؟ ایک حیرت کا ذکر "تذکرہ گلزار اعظم" مولفہ نواب محمد غوث خان بہادر والا جاہی میں ملتا ہے ان کا نام سید ابو الحسن تھا وہ میر شاہ حسین حقیقت کے شاگرد تھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں کے باشندے تھے۔ البتہ ان کا قیام پٹن (مدراس) میں تھا۔ تیرہویں صدی کے نصف اول میں موجود تھے۔ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) کے کتب خانہ میں ان کے دیوان کے دو قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ ۵۸ ممکن ہے زیر بحث برہنی مشار الیہ ہی کی تصنیف ہو۔ اس نظم کے بارے میں ڈاکٹر زور لکھتے ہیں۔ کہ "علی عادل شاہ

شاہی کے رنگ میں یہ ترجیع بند لکھا گیا ہے چنانچہ ھندی الفاظ کی اسی طرح کثرت سے ہے اور بحر بھی وہی ہے ؛" مصنف کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ " وہ انداز بیان سے اعلی درجہ کا شاعر معلوم ہوتا ہے ۔ افسوس ہے کہ اس کا اور کوئی کلام اب تک دستیاب نہ ہوا" ۹ اس برہنی کے دو بند ذیل میں درج ہیں ۔

میں پیم بھکارن ہوتی ہوں — لے راکھ بھبھوت مکھ دھوتی ہوں
اس کارن دردر ہوتی ھوں — دن رین نہیں میں سوتی ہوں

حب پیم پیارے آویں گے
مجھ چین اَمَن سب بھاویں گے

یو لوگ سبھی رنگ راتے ہیں — یو سوگ مرا اترا تے ہیں
یو جور جفا سب جاتے ہیں — اٹھ حیرت بیتم آتے ہیں

حب پیم پیارے آویں گے
مجھ چین اَمَن سب بھاویں گے

حیرت کی اس برہنی میں دیگر برہنیوں کے برخلاف ہر بند میں صرف چار مصرعے ہیں معلوم نہیں یہ شاعر کا یہ انحراف ہے یا کاتب کا تصرف

ادارہ ادبیات (حیدرآباد) کی اسی بیاض میں حیرت کے بعد ایک اور دکنی شاعر مکھن کی برہنی درج ہے ۔ صرف تخلص کے ذریعہ

کسی مجہول الاحوال شاعر کی شخصیت کا تعین کرنا سخت مخدوش عمل ہے ۔ حیدرآباد میں ایک راجہ مکھن لال مکھن تھا راجہ چندولال کی طرف سے آصف جاہ ثالث [۱۲۴۴ھ تا ۱۳۱۸ھ] کے دربار میں عرض بیگی تھے ۔ انھیں شعر و سخن کا بھی ذوق تھا ۔ ان کے دیوان کا ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے (مخطوطہ ۵۰۲ دواوین) قرینہ ہے کہ زیر بحث برہنی انھیں کی ہوگی کیونکہ ان کے دیوان میں صرف ترجیع بند اور مخمسات ہیں غزلیات نہیں ۔ اس برہنی کا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

اس باج سدا جیو ڈوب رہیں　　تن جیو بنا کیوں خوب رہیں
کیا قالب کوں اسلوب رہیں　　کیوں عاشق بن محبوب رہیں
کیوں طالب بن مطلوب رہیں
اے ہدہد جارے پیہہ سکنے　　سدتن کی لے جا جیہہ سکنے

وہ موہن مرا دلدار کہاں　　وہ لالن مرا عیار کہاں
وہ دلبر با اقرار کہاں　　وہ راز دل اسرار کہاں
وہ مکھن جانی یار کہاں
اے ہدہد جارے پیہہ سکنے　　سدتن کی لے جا جیہہ سکتے

ڈاکٹر زینت ساجدہ نے کلیات شاہی" کے مقدمے (ص ۹۴ تا ۹۵) میں حیرت اور مکھن کی نظموں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن بہ طور صنف سخن برہنی کی شناخت نہیں کی ہے۔

ادارہ ادبیات اردو (حیدرآباد) کے کتب خانہ میں محزونہ ایک قدیم "بیاض کلام" (مخطوطہ ۱۱۳۱) میں ورق ۱۰۷۔۱۰۸ پر ایک برہنی درج ہے۔ ڈاکٹر زور نے اسے علی عادل شاہ ثانی شاہی سے منسوب کیا ہے۔ [۱۱] لیکن ڈاکٹر زینت ساجدہ مرتبہ کلیات شاہی کے خیال میں یہ انتساب درست نہیں ہے کیونکہ "اس نظم میں نہ تو شاہی کا تخلص ہے اور نہ بیاض میں کوئی عبارت اس سے متعلق ایسی ہے جس سے ڈاکٹر زور کے بیان کی توثیق ہوسکے۔ [۱۲] راقم الحروف کے نزدیک ڈاکٹر زینت ساجدہ کی رائے مرجح ہے۔ ہر چند کہ زیر نظر برہنی میں شاہی کی برہنی کا دوسرا بند خفیف سی تبدیلیوں کے ساتھ موجود ہے تاہم یہ شاہی کی تصنیف نہیں ہوسکتی۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے مصنف نے شاہی کی برہنی سے استفادہ کیا ہو۔ بہر حال کسی مجہول الاسم شاعر کی یہ برہنی سات بندوں پر مشتمل ہے اس کا پہلا اور آخری بند درج ذیل ہے۔

مدپیو پتی ہوں ماتی ہوں
کر سینخ جگر کی کھاتی ہوں
نت انجھواں تے سر نھاتی ہوں
میں بات پرم کی دھاتی ہوں
کیئں انت نہ اس کا پاتی ہوں
کوئی جاؤ کہو پیو میرے سے
تجہ چین نہیں جیو تیرے سے

تجہ عشق ستی ئی خوار ھوا
سب دشمن یو سنسار ہوا
سکہ دو دیلا جیتے مار ہوا
تجہ ہجر ستی بیمار ہوا
میں درماں سو لاچار ہوا
کوئی جاؤ کہو پیو میرے سے
تجہ چین نہیں جیو تیرے سے

اس برہنی میں خاص بات یہ ہے کہ برہنی کی عام روایت سے اغماض کرتے ہوئے اس میں آخری بند کا واحد متکلم مونث نہیں بلکہ مذکر ظاہر کیا گیا ہے ۔

مذکورالصدور برہنیوں کے علاوہ تلاش و تحقیق کے نتیجہ میں مزید اور دکھنی شعراء کی برہنیاں بھی دستیاب ہو سکتی ہیں ۔

چارکرسی یا چہارکرسی

دکنی ادب میں چارکرسی یا چہارکرسی بھی ایک طویل اور مستحکم روایت پائی جاتی ہے
چارکرسی سے مراد وہ رسالہ ہے جس میں فقہ و عقائد کی بنیادی تعلیمات بیان کی

جاتی ہیں اور ایسے مسائل سمجھائے جاتے ہیں جن سے ایک عام مسلمان کو شب و روز سابقہ پڑتا ہے ۔ جیسے غسل ۔ تیمم ۔ نماز وغیرہ ۔ چار کرسی کی وجہ تسمیہ نہیں معلوم ۔ دکن میں کرسی نامہ شجرے کو کہتے ہیں ۔ چار کرسی کی ابتدا میں آنحضرتؐ کا نسب نامہ چار پشتوں تک بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد اصل موضوع سے تعرض کیا جاتا ہے ممکن ہے اسی مناسبت ان رسالوں کو چار کرسی یا چہار کرسی کا نام دیا گیا ہو ۔ دکن کے ممتاز محقق مولوی اکبر الدین صدیقی ریڈر (موظف) شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی نے ایک ملاقات میں راقم الحروف کو بتایا کہ دکن کی بڑی بوڑھی عورتوں میں اور تصوف کے بعض سلسلوں میں سر شام چراغ جلتے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اور ساتھ ہی آپ کے والد بزرگوار دادا اور پردادا کے نام بطور ذکر دہرانے کا رواج تھا ۔ اور یہ ذکر چار کرسی کہلاتا تھا ۔ دکنی ادب کے خزینہ کہن میں مذہبی موضوعات ۔ تفسیر و تراجم ۔ حدیث و فقہ ۔ عقائد و ایمانیات تصوف ۔ اور مناظرہ و کلام پر بے شمار چھوٹے بڑے رسائل ملتے ہیں جو نثر میں بھی ہیں اور منظوم بھی ۔ چار کرسی بھی انھیں میں سے ایک ہے ۔ اس عنوان سے جو رسائل تصنیف کیے گئے ہیں ان کا موضوع فقہ کے اساسی اور عمومی مسائل ہیں ۔

چار کرسی کو ہم ایک موضوعی صنف قرار دے سکتے ہیں ۔ کیونکہ اس کی شناخت اس کے موضوع ہی سے ہوتی ہے ۔ اس کے لئے کوئی

خاص ہیئت متعین نہیں ہے۔ اس عنوان سے لکھے گئے رسائل بیشتر منظوم ہیں اور شاذ نثر میں لکھے گئے ہیں۔ نظم میں جتنی چارکرسیاں دستیاب ہوئی ہیں ان سب میں مصنف کی یہ تاکید ملتی ہے اس کے مخاطب یا قاری اسے حفظ کرلیں تاکہ اس میں بیان کردہ مسائل انھیں ازبر ہو جائیں۔ پیش آئندہ صفحات پر کچھ چارکرسیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تاکہ دکنی میں اس کی روایت کے سفر اور تسلسل کے کچھ نقوش اجاگر ہو سکیں۔

چارکرسی مسائل = احمد خان شیرانی

یہ چارکرسی احمد خان شیرانی کی تصنیف ہے۔ ان کے بارے میں نصیر الدین ہاشمی کتب خانہ سالار جنگ کی وضاحتی فہرست میں لکھتے ہیں کہ " احمد خان شیرانی ایک افغانی بزرگ تھے مگر اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر دکن میں آ بسے تھے ..... حیدر علی خان والئ میسور کی ملازمت میں شامل تھے۔"[۳] اس رسالے کی داخلی شہادتوں کے ذریعہ ڈاکٹر زور نے لکھا ہے مصنف کولار (میسور) کا باشندہ تھا اس نے کچھ عرصہ گرم کنڈہ اور مڑواگل میں بھی گزارا تھا۔ زیر تبصرہ چارکرسی کی تصنیف کے وقت وہ مدن پلی میں شاہ غلام علی کے ہاں مقیم تھے۔ وہاں کا حاکم امام بیگ تھا۔ اس کے تین فرزند۔ سید خان

محی الدین خان اور عثمان خان تھے۔ ۱۲۰ھ ہاشمی نے فہرست کتب خانہ سالار جنگ میں انھیں شیرانی کے فرزند نہیں بلکہ احباب بیان کیا ہے۔ زور صاحب کی صراحت کے بموجب اس کے تین بھائی بہادر خان۔ حمید خان اور رحمان خان تھے۔ ہاشمی صاحب نے محولہ فہرست میں صرف موخرالذکر دو بھائیوں ذکر کیا ہے۔ احمد خان شیرانی نے یہ چار کرسی پہلے فارسی میں لکھی پھر افادۂ عام کی خاطر اسے دکنی جامہ پہنایا۔

احمد خان نے یہ چار کرسی سنہ ۱۱۹۶ھ میں لکھی تھی۔ اختتام رسالہ میں اس نے سنہ تصنیف کی وضاحت کی ہے۔ یہ چار کرسی منظوم ہے اور اب تک کی دریافت شدہ چار کرسیوں میں سے قدیم ہے۔ اس کی قرارت میں بعض محققین نے یہ غلطی کی ہے کہ ایک مصرع کو دو اجزا میں بانٹ کر شعر کی طرح پڑھا ہے جس کی وجہ سے اس کا نظام قوافی درہم برہم ہو گیا ہے۔ یہ

سبب تصنیف میں مصنف کہتا ہے کہ ایک دن عالم رویا میں اسے ہدایت ملی کہ فقہی مسائل کو عام لوگوں کے لئے مرتب کرے چنانچہ امتثال امر میں اس نے یہ رسالہ تصنیف کیا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب اعزہ داقربا کا ذکر۔ ازواجِ مطہرات۔ عشرہ مبشرہ اور خلفائے راشدین کے حالات ہیں۔ اس کے بعد مذہب اسلام اور اس کے مسائل وضو مسح

تیمم۔ غسل۔ ایمان۔ ذبح فاتحہ میثاق اور مذہب اہل سنت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

نمونہ :

او حق تعالیٰ ایک ہے لائق ہے اسکو پاکیاں

او باپ ماں سے نئیں ہوا فرزند نہ اسکو عورتاں

نئیں کوئی خدا دوجا سمجہ سچ ہے خدا جن جیو دیا

محمد رسول اللہ کو قاصد خدا کے تو پچھاں

احمد خان شیرانی کی زیر تبصرہ چارکرسی کے متعدد قلمی نسخے ہند و پاک کے مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) : ادارہ ادبیات اردو (حیدرآباد) ایک نسخہ مخطوطہ ۲۴۵

(۲) کتب خانہ سالار جنگ میوزیم چار نسخے مخطوطہ فقہ و عقائد
۱۲۱، ۳۳۰، ۳۷۲، ۵۵۰

(۳) کتب خانہ آصفیہ ایک نسخہ مخطوطہ جدید ۳۵۴۱

(۴) کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند تین نسخے مخطوطہ ۲۶، ۲۷، ۲۸

(۵) کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان دو نسخے جن کا تعارف افسر صدیقی امروہوی نے ،، مخطوطات انجمن جلد ششم (ص ۱۳۵ ۔ ۱۳۴) میں کرایا ہے۔

ان کی اطلاع کے مطابق انجمن مذکور کے کتب خانہ میں اس چار کرسی کے چار مطبوعہ نسخے بھی موجود ہیں

(۶) قاضی عبید اللہ اورنیٹل لائبریری مدراس میں چار کرسی کا ایک مخطوطہ مخزونہ ہے کتب خانہ کی فہرست مخطوطات کے مرتبین ڈاکٹر محمد غوث و ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے مصنف کا نام نامعلوم لکھا ہے۔ متن کا آغاز و اختتام یا نمونہ نہیں دیا ہے۔ البتہ کتاب کا سنہ تصنیف ۴ صفر ۱۱۹۶ بتایا ہے۔ ۱۶ یہ تاریخ ٹھیک وہی ہے جو احمد خان شیرانی کی چار کرسی کی تصنیف کی ہے۔ لہذا راقم الحروف کے خیال یہ چار کرسی احمد خان شیرانی ہی کی ہے۔

(۷) امانتی کتب خانہ مدراس میں بھی ایک چار کرسی کا مخطوطہ محفوظ ہے۔ اس کتب خانے کے مخطوطات کی فہرست بھی ڈاکٹر محمد غوث اور ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے مرتب کی ہے۔ انھوں نے مصنف کا نام بیگ لکھا ہے۔ متن کا نمونہ نہیں دیا ہے لیکن سنہ تصنیف ۴ صفر ۱۱۹۶ھ بیان کیا ہے ۱۷۔ راقم الحروف کے خیال میں یہ مخطوطہ بھی شیرانی کی چار کرسی کا ہے۔ بیگ غالباً کاتب کا نام ہے جسے مرتبین۔ نے فہرست نے غلطی سے مصنف سمجھا ہے

چار کرسی عبدالحق: یہ چار کرسی بھی منظوم ہے۔ اس کے مصنف عبدالحق کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ اس میں فرائض

وضو و تیمم۔ و فرائض احکام و ارکان ۔ اور فرائض نماز وغیرہ جملہ ایک سو تیس مسائل نظم کیے گئے ہیں۔ شیرانی کی چار کرسی کی طرح یہ بھی نہایت مشہور اور مقبول رہی ہے ۔ بمبئی ۔ بنگلور اور حیدرآباد سے اس کے مطبوعہ ایڈیشن بھی نکلے ہیں ذیل میں اس کا نمونہ درج کیا جاتا ہے ۔

آغاز :
یو چار کرسی فرض ہے کہتا ہو تجہ کو یاد کر
سکتا مسلماں فرض ہے جاکے اپے استاد گھر
سن تو نبی کے باپ کا ہے نام عبداللہ کر
دادے محمد کے الوں عبدالمطلب ہوے کر
ہاشم سو پر دادے سمجھ دادے ولا عبدالمناف
کہے رسول اللہ کیاں یو چار کرسی نا بسر

★

اختتام :
اَبیگ تو شاگرد ہو استاد سے منکر نہ ہو
فرضاں جو یکسو تیس یو دل کی پٹی پر نقش دھر
جو بھاں سکے بر حق اسے دیدار حق مطلق اسے
دکھلائے عبدالحق اسے جس میں ہے سایاں کا اثر ۱۸

عبدالحق کی چار کرسی کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہوتے ہیں

ان کی تفصیل اس طرح ہے ۔

(۱) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو (حیدرآباد) تین نسخے مخطوطہ نمبر ۲۵، ۱۰۲۵، ۴۹۳

(۲) کتب خانہ سالار جنگ: ۔ تین نسخے، مخطوطہ نمبر فقہ و عقائد ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۳۸

(۳) کتب خانہ آصفیہ: دو نسخے مخطوطہ نمبر فقہ حنفی ۹۷۷ ۔ فقہ حنفی ۴۵۷

(۴) کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند دو نسخے مخطوطہ نمبر ۲۴، ۲۵

(۵) کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں عبدالحق کی چار کرسی کے چار مخطوطات محفوظ ہیں

(مخطوطات انجمن جلد دوم ص ۱۱۱ ۔ و نیز جلد ششم ص ۳۶!)

اس چار کرسی کا سنہ تصنیف نصیر الدین ہاشمی مرتب فہرست کتب خانہ آصفیہ نے ما بعد ۱۲۲۰ھ اور محمد ابرار حسین فاروقی مرتب فہرست کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند نے ما قبل ۱۲۱۸ھ متعین کیا ہے۔ ۱۹

چار کرسیٔ طریقت، فقیر اللہ شاہ حیدر اس چار کرسی کے مصنف کا اصلی نام حیدر اور لقب فقیر اللہ شاہ تھا ۔ ڈاکٹر زور کی تحقیق کے بموجب فقیر اللہ شاہ مولنا شاہ رفیع الدین قندھاری (م ۱۲۴۱ھ) اور ان کے خلیفہ رحمٰن شاہ کے مرید تھے ۔ کچھ عرصہ انھوں نے حیدرآباد میں اسفندیار جنگ کی ڈیوڑھی میں بھی گذرا تھا ۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ سفر و سیاحت میں گذرا ۲۰ ۔ چار کرسی کے علاوہ ان کی تین

دیگر تصانیف بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ (۱) تناولی (۲) نظم انور (۳) قبرنامہ
ان کی تفصیلات ڈاکٹر زور نے علی الترتیب تذکرہ مخطوطات جلد اول صفحہ ۱۶۰
اور صفحہ ۱۶۳ و نیز جلد چہارم صفحہ ۸۹ پر قلم بند کی ہیں

زیر نظر چار کرسی میں فقیر اللہ شاہ حیدر نے ایک نئی طرح یہ نکالی ہے
کہ انھوں نے اس میں شریعت یا فقہ کی بجائے معرفت اور طریقت کے مسائل سمجھائے
ہیں۔ یہ چار کرسی ستّر اشعار پر مشتمل ہے۔ نظم کے اختتامیہ میں مصنف نے
واضح کر دیا ہے کہ اس میں اکیس تیس مسائل مذکور ہیں جو مندرجہ ذیل عنوانات کے
تحت ہیں۔

(۱) مذہب طریقت (۲) وضو (۳) غسل (۴) مسلمانی طریقت (۵)
احکام و ارکان طریقت (۶) ایمان طریقت (۷) نماز پنجوقتہ (۸) ہفدہ
رکعت (۹) عارفاں۔

آغاز

سن چار کرسی کان دھر ہوئے طریقت میں خبر
کرنا پچھانت تن منے آمیز جوں شیر و شکر
یو چار کرسی ؛ رکھ بولیا ہوں تم سے پند سب
مشکل کٹھن او بات ہے چلنا طریقت کے اُپر

٭

اختتام ،   مسئلے طریقت ذات کے خوش فہم بولا ہے فقیر

رایت رب جس کوں دسے ہے او جو سب کوں راہبر [۲۱]

فقیر اللہ شاہ حیدر کی اس چار کرسی کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں

کی زینت ہیں ۔

(۱) کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد   ۴ نسخے مخطوطہ نمبر ع ۴۰۸ ب، ع ۵۷،

ع ۷۷، ع ۸۱۹

(۲) کتب خانہ آصفیہ   : ۲ نسخے مخطوطہ نمبر جدید ۱۸۳۶، مجموعہ رسائل ع ۹۰

(۳) کتب انجمن ترقی اردو ہند : ۲ نسخے مخطوطہ نمبر ع ۱۶۳ ، ع ۱۶۴

چار کرسی (نثر) : عبدالقادر   اس چار کرسی کا ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں مخزونہ ہے (نمبر ۲۰۴۱/۱ جدید) یہ آٹھ صفحات

کا ایک مختصر رسالہ ہے ۔ جس کے اختتام پر مصنف نے اپنا نام عبدالقادر بیان کیا ہے ۔ مصنف کی صراحت کے مطابق اس کا سنہ تصنیف ۱۱۷۸ھ ہے ۔ نصیر الدین ہاشمی مرتب فہرست کتب خانہ آصفیہ نے عبدالقادر کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کی ہیں ۔ اس چار کرسی کی خاص بات یہ ہے کہ یہ اس صنف کی عام روایت سے علی الرغم نظم کی بجائے نثر میں تصنیف کی گئی ہے ۔

آغاز :-   چار کرسی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن الہاشم بن عبدالمناف ۔ چار نسب

امام حنفی و امام شافعی و امام مالکی و امام حنبلی ۔ صفت ایمان کے سات ہیں ۔

اختتام : اللہ تعالیٰ ہر مصلی کو نماز کی صحت کی توفیق دیوے آمین یا رب العلمین

ایں چار کرسی ترتیب داد کثیف العبد عبدالقادر عاصی غفر ذنوبہ است مورخہ دہم شوال ۱۲۷۶ھ ۲۲

چار کرسی (نثر، محمد اشرف : یہ چار کرسی بھی نثر میں ہے اس کا ایک قلمی نسخہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں مخزونہ ہے ۔ مخطوطہ ۲۸۲ ۔ ڈاکٹر زور کی صراحت کے مطابق پنج وقتہ نماز اور اس کے لوازمات سے متعلق یہ رسالہ صرف پانچ اوراق پر مشتمل ہے ۔ اس کے مرتب دامومیاں بودھن (نظام آباد۔ اے۔ پی) کے خطیب تھے یہ ڈاکٹر زور کے نانا منشی وقارالدین کے بڑے بھائی تھے ۔ انھوں نے یہ چار کرسی ۱۲۵۰ کے قریب مرتب کی تھی ۔ ۲۳

آغاز : فرض وضو کے چہار ۔ اول دونوں ہاتھ دھونا ، دوسرا مو، دھونا

اختتام : یہی فرض نیت ہے سبحان کا ۔ میں کل روزہ رکھتا ہوں رمضان کا

مذکورہ بالا چار کرسیوں کے علاوہ بعض اور چار کرسیاں بھی ہیں جن کے بارے میں تفصیلات کا علم نہیں ان میں سے ایک قاضی عبیداللہ اورینٹل لائبریری " مدراس میں ہے ۔ یہ چار کرسی جسے مذکورہ کتب خانہ کی فہرست مخطوطات کے مرتبین نے "چار کرسی کلاں" کے نام سے یاد کیا ہے ۔ احمد خان شیرانی کی چار کرسی کے

ساتھ ایک ہی مخطوطے میں مجلد ہے۔ ۲۴؎ دوسری چارکرسی بھی اسی کتب خانے کی زینت ہے۔ مرتبین فہرست نے اس کے مصنف کا نام شاہ کوڈر بتایا ہے اور سنہ کتابت ۱۱ شعبان ۱۲۴۴ھ ظاہر کیا ہے۔ ۲۵؎ ان دونوں چارکرسیوں کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ یہ نظم میں ہیں یا نثر میں۔ نیز ان کے مصنفوں کے احوال بھی محتاج تعارف ہیں۔

تحقیق کرنے پر برصغیر ہند و پاک کے دیگر کتب خانوں اور نجی ذخیروں میں مذہبی موضوع کی حامل دکنی کی اس قدیم صنف یعنی چارکرسی مزید نمونے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

کھاڑا

کھاڑا بھی دکھنی ادب کی ایک متروک صنف ہے۔ اس قدیم صنف سے متعلق تاریخ یا تحقیق کی کسی کتاب میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہوتیں۔ اس لفظ کی اصل کا پتہ ہے نہ وجہ تسمیہ معلوم۔ یہ دکنی کی ان اصناف میں سے ہے جن کی روایت کسی دوسری زبان میں نظر نہیں آتی۔ صاحب نظر دکنی محقق ڈاکٹر حسینی شاہد نے بھی اسے دکنی سے خاص کیا ہے۔ وہ اپنی تصنیف "شاہ معظم" میں لکھتے ہیں "چند اصناف سخن دبستان دکھن کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان میں چکی نامہ، سہیلا، حقیقت، کھاڑا اور سی حرفی قابل ذکر ہیں"۔ ۲۶؎ ایک ملاقات میں

ڈاکٹر حسینی شاہد مرحوم نے راقم الحروف کو بتایا تھا کہ "کھاڑا معما اور پہیلی کی طرز پر ہوتا ہے
محمد ابرار حسین فاروقی مرتب فہرست مخطوطات انجمن ترقی اردو ہند نے بھی
محولہ فہرست میں شاہ داول کے کھاڑے کے آگے قوسین میں معمہ لکھا ہے۔
معما، پہیلی، لُغز، چیستاں اور مکرنی یا کہہ مکرنی سب ایک قبیلے کے افراد ہیں۔ ان
میں اشاروں یا علامتوں کی مدد سے کوئی اسم یا مخصوص شئے بجھائی جاتی ہے۔ یہ
نظم میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اور نثر میں بھی۔ قیاس ہے کہ کھاڑے میں بھی کسی قرینے یا
مبہم اور رموز بیان کے ذریعہ کسی پوشیدہ شئے یا نکتے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہوگا۔

کھاڑے کے دو نمونے متحقق ہوئے ہیں جن میں ایک شاہ داول
دریائی کا لکھا ہوا ہے۔ یہ کھاڑا انجمن ترقی اردو ہند کے کتب خانے میں محزونہ
ایک مخطوطے (نمبر ۱۳۷۶ تصوف) میں درج ہے۔[۲۷] مولوی اکبر الدین صدیقی نے
"کشف الوجود" کے مقدمے میں اس کھاڑے کو سید شاہ داول دریائی سے
منسوب کیا ہے۔ جن کا سلسلہ سید جلال الدین بخاری سے ملتا ہے۔[۲۸] ایک
اور شاہ داول جن کا پورا نام شیخ غلام محمد داول ہے۔ شاہ برہان الدین جانم کے
مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا سنہ وفات ۱۰۶۸ھ ہے[۲۹]۔ ان کی چار نظمیں ہیں،
(۱) چہار شہادت (۲) کشف الانوار (۳) کشف الوجود (۴) ناری نامہ اور
منفرد "خیال" دستیاب ہوئے ہیں۔ مولوی اکبر الدین صدیقی کا بیان ہے کہ۔

ڈاکٹر زور کے نجی کتب خانے میں ایک قلمی بیاض تھی جس میں میراں جی شمس العشاق اور ان کے خانوادے کے اصحاب قلم کی تصنیفات نقل کی گئی تھیں۔ اس میں شاہ داول کے معمہ (کھاڑا ؟) اور راگ بھی درج تھے [۳۰] راقم الحروف کا گمان درسا قیاس ہے کہ زیر بحث کھاڑا شاہ داول دریائی سے سہواً منسوب ہو گیا ہے۔ دراصل یہ شاہ داول مرید و خلیفہ شاہ برہان الدین جانم کا ہے۔ اول الذکر شاہ داول کا صاحب تصنیف ہونا مشکوک ہے جبکہ ثانی الذکر شاہ داول کا نہ صرف صاحب تصنیف ہونا ثابت ہے بلکہ ان کا معمہ (کھاڑا) نویس ہونا بھی معلوم ہے غالباً نام کی یکسانیت کی وجہ سے کاتب کو غلطی لگی ہوگی اور اس نے داول سے آگے دریائی کا اضافہ کر دیا ہوگا۔

دوسرا کھاڑا سید علی پیر کا لکھا ہوا ہے یہ بھی کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند میں مخزونہ ایک مخطوطے (نمبر ۱۳ تصوف) میں درج ہے [۳۱] سید علی پیر جن کا لقب گنج گوہر تھا بیجاپور کے مشہور صاحب تصنیف صوفی بزرگ سید شاہ امین الدین اعلیٰ کے پوتے اور بابا شاہ حسینی کے فرزند تھے۔ انھوں نے وجود العارفین (۱۲۲۵ھ) کے نام سے دکنی میں ایک نثری رسالہ لکھا ہے جس کا ایک قلمی نسخہ ادارہ ادبیات اردو (حیدرآباد) کے کتب خانے میں مخزونہ ہے (مخطوطہ ۱۱۱۸) پروفیسر آغا حیدر حسن مرحوم کے کتب خانے کی ایک بیاض

میں علی پیر کے حقیقت اور سہیلا گیت درج ہیں جن کے اقتباسات ڈاکٹر حسینی شاہد نے اپنی تصنیف ''رشید امین الدین علی اعلیٰ'' میں پیش کیے ہیں ع ۳۲ ان کے علاوہ علی پیر سے فارسی زبان میں ایک مثنوی ''سراج العشق'' بھی یادگار ہے جس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں مخزونہ ہے (مخطوطہ عـ ۹۰ تصوف و اخلاق) افسوس کہ مذکورالصدر کھاڑوں میں سے کسی کا نمونہ راقم الحروف کی دسترس میں نہیں ہے ورنہ بالضرور یہاں اس کا اقتباس درج کیا جاتا۔

پس نوشت

اوراق ماسبق میں فقیر اللہ شاہ حیدر کی جس چارکرسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسے ڈاکٹر حبیب اللہ بیگم ولی اللہ نے اپنی تصنیف ''ریاست میسور میں اردو کی نشوونما'' (بنگلور ۱۹۶۲ء ص ۱۱۷) میں شیخ میاں فضل اللہ فقیر متوطن گنجام (میسور) سے منسوب کیا ہے۔ ان کی معلومات کا ماخذ مولوی شہاب الحسن ادیب کی کتاب نمازی اعظم ہے۔ لیکن مصنفہ مذکورہ نے اپنے قیاس کی تائید میں کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔

کتابیات

۱۔ نورالحسن ہاشمی — بکٹ کہانی مرتبہ نورالحسن ہاشمی و مسعود حسین خان لکھنؤ ۱۹۸۶ء مقدمہ ص ۵

۲۔ ڈاکٹر مبارز الدین رفعت — کلیات شاہی، حیدرآباد ۱۹۶۲ء مقدمہ ص ۶۶ - ۶۵

۳۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ — کلیات شاہی، حیدرآباد ۱۹۶۲ء مقدمہ ص ۹۴

۴۔ ایضاً — ص ۷۰

۵۔ مولوی اکبرالدین صدیقی — بجھتے چراغ، حیدرآباد ۱۹۷۵ء ص ۱۸۱

۶۔ عبدالقادر سروری — مضمون باقر آگاہ مشمولہ رسالہ اردو سہ ماہی بابتہ اپریل ۱۹۲۹ء ص ۳۰۱

۷۔ افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن، کراچی ۱۹۶۷ء جلد چہارم ص ۱۸۹

۸۔ ایضاً ، مخطوطات انجمن، کراچی ۱۹۶۵ء جلد اول ص ۱۷۲

۹۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور تذکرہ مخطوطات، دہلی ۱۹۸۴ء جلد اول ص ۲۱۰

۱۱۰ ایضاً ص ۲۱۱

۱۱۱ ایضاً جلد پنجم حیدرآباد ۱۹۵۹ء ص ۲۹۵

۱۱۲ ڈاکٹر زینت ساجدہ، کلیات شاہی۔ مقدمہ ص ۱۱۴

۱۱۳ نصیر الدین ہاشمی وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد ص ۷۶

۱۱۴ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ تذکرہ مخطوطات جلد چہارم حیدرآباد ۱۹۵۸ء ص ۸۷

۱۱۵ ایضاً ص ۸۸

۱۱۶ ڈاکٹر محمد غوث، ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال، قاضی عبید اللہ اورینٹل لائبریری مدراس کے اردو مخطوطات حیدرآباد ۱۹۸۹ء ص ۲۴

۱۱۷ ڈاکٹر محمد غوث، ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال، امانتی کتب خانہ خاندان شرف الملک۔ مدراس کے اردو مخطوطات، حیدرآباد ۱۹۸۹ء ص ۱۳۲-۱۳۱

۱۱۸ افسر صدیقی، امروہوی مخطوطات انجمن، جلد چہارم ص ۹۹

۱۱۹ نصیر الدین ہاشمی، فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم حیدرآباد ۱۹۶۱ء ص ۹۹

۱۲۰ محمد ابرار حسین فاروقی، فہرست کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند

مشمولہ رسالہ اردو سہ ماہی علیگڑھ بابتہ مارچ ۱۹۵۳ء ص ۱۲۷

۲۱؎ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ - تذکرہ مخطوطات جلد اول دہلی ۱۹۸۴ء ص ۱۹۳

۲۲؎ فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم ص ۱۳۵

۲۳؎ تذکرہ مخطوطات جلد اول ص ۲۱۷

۲۴؎ قاضی عبید اللہ اور نیٹل لائبریری مدراس کے اردو مخطوطات ص ۲۵ - ۲۴

۲۵؎ ایضاً ص ۲۹

۲۶؎ ڈاکٹر حسینی شاہد، شاہ معظم، حیدرآباد ۱۹۷۸ء ص ۴۶

۲۷؎ محمد ابرار حسین فاروقی ۔ فہرست اردو مخطوطات انجمن ترقی اردو ہند مشمولہ رسالہ اردو؛ ادب سہ ماہی علیگڑھ بابتہ مارچ ۱۹۵۳ء ص ۱۴۵

۲۸؎ مولوی اکبر الدین صدیقی ۔ مرتب کشف الوجود (مثنوی شاہ داول) مشمولہ قدیم اردو جلد اول حیدرآباد ۱۹۶۵ء ص ۲۸۶

۲۹؎ ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد اول، دہلی ۱۹۸۶ء ص ۲۹۹

۳۰؎ قدیم اردو جلد اول ص ۲۹۱

۳۱؎ فہرست مخطوطات انجمن ترقی اردو ہند، ص ۱۴۵

۳۲؎ ڈاکٹر حسینی شاہد، سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیدرآباد ۱۹۷۳ء ص ۴۳ - ۴۲

ایک نایاب چرخہ نامہ

دکنی کی موضوعاتی اصناف سخن میں چرخہ نامہ بھی شامل ہے۔ چرخہ نامہ یا تکلی نامہ وہ گیت ہیں۔ جو سوت کاتنے کے دوران گائے جاتے ہیں۔ دکن کے بعض صوفی شاعروں نے چرخے اور تکلی کے ان گیتوں میں تصوف و معرفت کا عنصر داخل کیا اور انھیں عارفانہ خیالات کے اظہار اور اصلاحی تعلیمات کے ابلاغ کا وسیلہ بنایا۔ ابھی تک دکنی میں صرف ایک ہی چرخہ نامہ دریافت ہوا ہے۔ جسے نصیر الدین ہاشمی نے ساآلہ سے[1] اور ڈاکٹر سیدہ جعفر نے کمتر سے[2] منسوب کیا ہے۔ کتب خانہ سالار جنگ میں اس کے دو[3] اور کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان[4] میں ایک نسخہ مخزونہ ہے۔ پیش نظر چرخہ نامہ اس سلسلے کی دوسری مثال ہے۔ جو راقم الحروف کی دریافت ہے ۔ پیش آیندہ اوراق میں یہ نایاب اور غیر مطبوعہ چرخہ نامہ تدوین متن کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے مصنف سیدی برہان ہیں ان کے حالات اس کتاب کے مضمون سی حرفی میں درج کئے جا چکے ہیں۔ یہ چرخہ نامہ راقم الحروف کو کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں مخزونہ ایک بیاض [مخطوطہ نمبر ۶۵ ورق ۴۰۵ تا ۴۰۶] میں دستیاب ہوا۔ اس کا کاتب نہایت زشت خط ہے اس نے املا کی بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ جس کی وجہ سے بعض جگہ مطلب

عنقا بود ہوگیا ہے ــــــــــ زیر نظر چرخہ نامہ دس دس باہم مقفیٰ مصرعوں سے پانچ بندوں پر محتوی ہے۔ البتہ پہلے بند میں بارہ مصرعے ہیں۔ ہر بند کے آخری دو مصرعے پہلے بند سے قافیے کا اتحاد رکھتے ہیں۔ آخری بند میں شاعر کا تخلص ہے یہ چرخہ نامہ نہایت خوش آہنگ اور مترنم ہے اس میں چرخہ کر گھا تکلی۔ کپاس۔ سوت۔ تار۔ تانا بانا۔ پونی۔ کھنڈی وغیرہ سے کنایہ کرتے ہوئے برہان نے نہایت دلچسپ انداز میں ہر دم ذکر خدا میں مشغول رہنے اور حرص و ہوس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اسلوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عورتوں کے لئے لکھا گیا ہے۔

لے : نصیر الدین ہاشمی : وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ ص ۲۲۵

سے : ڈاکٹر سیدہ جعفر، مرتبہ سکھ انجن مصنفہ شاہ ابوالحسن قادری۔ حیدرآباد ۱۹۶۸ء
مقدمہ ص ۷۲

سے : وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ ص ۱۳۶ نیز ص ۲۲۵

سے : افسر صدیقی امروہوی۔ مخطوطات انجن، جلد دوم، کراچی ۱۹۶۶ء ص ۱۲۹

چرخہ نامہ سیدی برہان

تخم محبت کو بو تو	؎	اور اس پہ چھڑک لہو کی بہو (کذا)
تاکہ اگے درخت ہو	؎	اور نمایاں ہوئے کو [؟]
جھاڑ کپاسی ہو بالو	؎	یعنی درخت یاد ہو
عشق میں اس سے آنکھ جو	؎	حق ہی ملے گا جب تجکو
چرخہ کہے ہے وحدہٗ	؎	لا الہ الا ھو
کدھر کی بڑھیا کدھر کا تو		چل مرے چرخے شہ رگ سو

(۲)

سن ری بڑھیا میری بات	؎	چرخہ من ہے تیرے سات
مال اطاعت کر لے سات	؎	کات اسی میں دن اور رات
یک یک رات ہے شب برات	؎	ہر ہر دن ہے روز عرفات [ہے زائد ہے]
تانا بانا دم کے سات	؎	کرے جب تک تن میں حیات
تار لگا دے اب اس کو	؎	اللہ ھو بی اللہ ھو

(۳)

اپنے تن کا چرخہ کر	؎	ذکر کا کر گھا کر خوشتر

دل سے روئی نے نادر ‎ ‎ ‎ ‎ دھنک دھنک ....
پونی نے تو اس کی نظر ‎ ‎ ‎ ‎ تکلا کر یو تن کا گوھر
تار لے دم کا تو سر ‎ ‎ ‎ ‎ تا کچھ کی پاوے اس کا ثمر [کی زائد ہے]
کھنڈ کی جمالے دید کی تو ‎ ‎ ‎ ‎ تار ملے گا تیرے کو

(۴)

حرص ہوا کی آس نہ کر ‎ ‎ ‎ ‎ کاتا سوت کپاس نہ کر
اپنے تن کو گھاس نہ کر ‎ ‎ ‎ ‎ بجز خدا کے شناس نہ کر
بجز خدا کے پاس نہ کر ‎ ‎ ‎ ‎ جھوٹی چھینی کی آس نہ کر
غیر کہے تو قیاس نہ کر ‎ ‎ ‎ ‎ نفس کا اپنے پاس نہ کر
نفس تیرا ہے تیرا عدو ‎ ‎ ‎ ‎ مار کے رکھ تو اب اسکو

(۵)

وصف خدا کی [کر] اے برہان ‎ ‎ ‎ ‎ ال عما کر اے برہان [کذا]
صل علیٰ پڑھ اے برہان ‎ ‎ ‎ ‎ شعر لکھا کر اے برہان
سب سے مل کر اے برہان ‎ ‎ ‎ ‎ سب کو دعا کر اے برہان
حق کی عبادت کر برہان ‎ ‎ ‎ ‎ حق کی ثنا کر اے برہان
سارے دشمن ہو تو تھو ‎ ‎ ‎ ‎ جو تیوں میں رگڑے تو ان کو

حضرت شاہ علی جیو گام دھنی
اور
اُن کی جکریاں

شاہ علی محمد جیو گام دھنی گجرات کے ایک لبسا بزرگ۔ عارف کامل اور درویش واصل گزرے ہیں۔ آپ کا جدی سلسلہ آٹھ واسطوں سے سید احمد کبیر رفاعی رحؒ پر منتہی ہوتا ہے۔ اور ننہالی سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ تک پہونچتا ہے۔ اس طرح آپ نجیب الطرفین اور شریف السلسلتین تھے۔ آپ کے والد کا نام قطب عالم شاہ ابراہیم اور لقب جمال اللہ تھا۔" صاحب تحفۃ الکرام" نے ان کو نبیرۂ سید عبدالرحیم لکھا ہے۔ لیکن ان کے مرید شیخ حبیب اللہ جنھوں نے ان کے کلام کو مرتب کیا ہے۔ انھیں شاہ عمر کا پوتا بتاتے ہیں۔ محمود شیرانی کے بیان، حبیب اللہ کا قول مرجح ہے کیونکہ وہ اپنے مرشد کے جد کے بارے میں زیادہ صحیح

اور قابل وثوق اطلاع دے سکتے ہیں۔

شاہ جیو کا سال وفات متفقہ طور پر ۹۷۳ھ ہے۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال (۷۷) برس کی عمر میں ہوا[۵۲]۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کی ولادت ۸۹۵ھ یا ۸۹۶ھ میں ہوئی ہوگی ان کا مولد و مدفن احمد آباد (گجرات) ہے۔ آپ نے جوانی سے زمانے میں علمائے گجرات کی خدمت میں کتب تحصیلی سے فراغت پائی۔ اور والد ماجد سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ شاہ صاحب ریاضت شاقہ و مجاہدات شدید کے بعد تصوف و سلوک میں مدارج کمال کو پہنچے۔ ان کی شہرت دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ باہر سے جو بھی بزرگ آتے وہ ان یہاں قیام کرتے تھے عبدالجبار خان ملکاپوری راوی ہیں کہ شاہ محمد غوث گوالیری (م ۹۷۰ھ) جو شیخ وجیہ الدین گجراتی کے مرشد تھے۔ گوالیار سے گجرات آئے تو شاہ علی محمد جیو سے ملاقات کی اور آپ کے کمال کو تسلیم کیا[۵۳]۔ اسی طرح شیخ علاؤالدین ثانی برناوی کتاب چشتیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ جب بہاؤالدین برناوی خاتم التارکین بہ سبیل سیاحت گجرات تشریف لے گئے۔ تو شاہ علی جیو کے مہمان رہے۔ اس قیام کے زمانے میں شاہ صاحب نے انھیں اپنا ہندی کلام سنایا اور اس کا ایک نسخہ جو قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے محشی و مزین تھا ان کی خدمت میں پیش کیا[۵۴]۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جیو کا کلام ان کی حین حیات ہی مرتب ہو چکا تھا۔

مولف "تذکرۂ اولیائے دکن" کا بیان ہے کہ گاؤں دھنی شاہ صاحب کا لقب تھا۔ یعنی گاؤں کا مالک ہے[۵] اسی کو قدیم تلفظ میں گام دھنی کہا گیا۔ مراۃ احمدی میں لکھا ہے کہ محلہ سلطان پور بیرون دروازہ رائے پور شاہ صاحب کا بسایا ہوا ہے[۶] شاہ صاحب کے نام "گام دھنی" کے لاحقے کی توجیہہ میں یہ دونوں باتیں درست ہو سکتی ہیں۔ شاہ صاحب کا انتقال ۱۴ جمادی الاول ۹۷۳ھ کو ہوا۔ ان کا مزار احمد آباد میں شاہ غزنی کے روضے کے متصل اندرون حصار دروازہ رائے کھڑ[۸] واقع ہے۔

شاہ صاحب کا لقب "معشوق اللہ" تھا۔[۹] "کتاب چشتیہ" کے مطابق ان کا نقش نگیں "اللہ باقی محمد ساقی" تھا جس کو برگ تنبول (پان) کی شکل میں کندہ کیا گیا تھا۔ مریدوں کے شجرے پر اسی انگشتری سے مہر ثبت کی جاتی تھی۔[۱۰]

شاہ علی جیو کے دیوان کا نام "جواہر اسرار اللہ" ہے بعضوں نے اسے "جواهر الاسرار اللہ" بھی لکھا ہے۔[۱۱] راقم کے خیال میں پہلا نام فارسی اور دوسرا عربی ترکیب پر مدار رکھتا ہے۔ شاہ صاحب کا دیوان دو مختلف لوگوں نے مرتب کیا۔ ان میں ایک تو ان کے مرید ابوالحسن شیخ محمد حبیب اللہ ہیں۔ اور دوسرے شاہ صاحب کے پوتے سید شاہ ابراہیم معرفت اللہ ہیں۔ دونوں ترتیبوں میں کلام کی مقدار یکساں ہے البتہ نسخہ ابوالحسن میں ہر قسم کی ترتیب مفقود ہے جبکہ مرتب ثانی یعنی سید ابراہیم نے اپنے نسخے میں شاہ صاحب کی نظموں کی تبویب کی ہے اس میں انھوں

ہجائی ترتیب کے لحاظ سے نظم کے ابتدائی مصرع کے پہلے لفظ کا اعتبار کیا ہے
شاہ علی محمد جیو کا دیوان جواہر اسرار اللہ تمام تر "جکریوں" پر مشتمل ہے ۔
جکری صوفیانہ گیتوں کی ایک قدیم صنف ہے ۔ عام طور پر اسے گجرات سے مخصوص کیا جاتا
ہے لیکن یہ درست نہیں ۔ اب تک تین شاعروں کی جکریاں دستیاب ہوئی ہیں ۔ باجن کا جکری
گو ہونا تو تاریخ و تذکروں سے ثابت ہے ان میں سب سے قدیم مولانا وجیہہ الدین ہیں ۔
جو حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے ہمعصر تھے ۔ شمالی ہند سے تعلق رکھتے ہیں ۔ دوسرے
جکری نویس شیخ امین الدین جن کا انتقال ۸۲۹ھ میں ہوا لکھنؤ کے رہنے والے تھے ۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ جکری کا آغاز شمالی ہند میں ہوا ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس روایت
گجرات میں سرسبز ہوئی ۔ گجرات کے صوفی شعراء شیخ بہاؤالدین باجن (۷۹۰ھ تا ۹۱۲ھ) قاضی
محمود دریائی (۸۷۴ھ تا ۹۴۱ھ) اور شاہ علی محمد جیو گام دھنی وغیرہ نے صوفیانہ شاعری کی اس
صنف کو صحیح اور پائیدار شکل عطا کی اور اسے حال و قال کی مجلسوں میں فروغ دیا ۔ حافظ محمود
شیرانی نے جکری کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کی ہے "[یہ لفظ] اصل میں ذکر یا ذکری تھا ۔
ہندوستانی اثرات میں جکری ہو گیا" ۹ حافظ محمود شیرانی سے استفادہ کرتے ہوئے
ڈاکٹر انور سدید نے تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" میں جکری کی صراحت
اس طرح کی ہے ، جکری ذکر کی بگڑی ہوئی شکل ہے ۔ یہ ایسی نظم ہوتی ہے جس میں اور مضامین
کے علاوہ سلسلے کا شجرہ ۔ مدح مشائخ بھی ہوتی ہے ..... جکری اپنے اظہار اور ادائیگی

کے اعتبار سے راگ کی ایک قسم ہے اور خیال اور ٹپہ سے قدیم معلوم ہوتی ہے۔ ہاں اتنا
ضرور ہے کہ یہ مسلمانوں کی اختراع ہے اور حمد، نعت اور منقبت کے مضامین کے لئے
ایجاد کی گئی ہے"[۱۰] قدیم اردو کی اس صوفیانہ شعری ہیئت کا نام ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی،
مصنف "سخنوران گجرات" کے نزدیک جکری نہیں بلکہ جگری ہے جس سے مراد وہ نغمہ ہے جو
از خود دل سے نکلا ہو اکتسابی نہ ہو[۱۱]۔ ان سب سے ہٹ کر ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی
کہتے ہیں کہ "جکری" نہ تو ذکر کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور نہ ہی اس کا تلفظ جگری ہے بلکہ اصل میں یہ
چکری" ہے۔ ان کی تشریح کے مطابق ان گیتوں کی رقت انگیزی اور وجد آفرینی کے سبب
صاحب حال درویش بے خود ہو کر رقص کرتے اور گول گھومتے ہوئے چکر لگاتے تھے۔ اسی
مناسبت سے ان کا نام چکری ہے۔ ڈاکٹر ڈیسائی نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ گجرات کے
ہندو شعرا کے ہاں بھی جکری کا رواج تھا۔ وہ لوگ اسے "چکراں" یا "چکڑی" کہتے ہیں جس
کے معنی چکر کھانا یا گول گھومنے کے آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق "جمعات شاہیہ"
(ملفوظات شاہ عالم بخاری م ۸۸۰ ہجری) کی جلد دوم کے مخطوطے مخزونہ مولانا آزاد لائبریری
علی گڑھ یونیورسٹی میں بارہا اس صنف کا ذکر ہے۔ اور ہر جگہ اس کو چکری لکھا گیا ہے
راقم الحروف کے خیال میں "جمعات شاہیہ" کے مذکورہ مخطوطے میں کاتب نے تزئین
خیال یا تساہلی کی وجہ سے جکری کی املا میں یائے معروف کے نقطوں کو جیم کے نقطے سے
ملا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ڈاکٹر ڈیسائی نے چکری پڑھا ہے۔ قدیم مخطوطات کے

محققین کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں انھیں اکثر ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں کاتب کی نکتہ آفرینی متن میں بے ضرورت نقطوں کو جگہ دیتی ہے۔ یا دو حروف کے نقطوں کو ایک جگہ جمع کر دیتی یا یہ یک جنبشِ قلم اصل نقطوں ہی کو اڑا دیتی ہے۔ ہمارے نزدیک جکری ذکر سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک صوفیانہ گیت ہے جو مختلف راگ راگنیوں اور پردوں میں ڈھالا جاتا ہے۔

شاہ باجن اور قاضی محمود دریائی کی جکریوں کی عمومی ہیئت یہ ہے کہ ان کے ہاں ابتدائی اشعار کو جو ہم قافیہ ہوتے ہیں "عقدہ" کہا گیا ہے۔ اس کے بعد تین تین، چار چار، مصرعوں کے بند آتے ہیں جنھیں "ہین" کا نام دیا گیا ہے۔ آخری بند جو عام طور پر تین مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے "تخلص" کہلاتا ہے۔ شاہ علی محمد جیو کے دیوان میں جکریوں کی ہیئت تو وہی ہے جو شاہ باجن اور قاضی محمود دریائی کے ہاں ملتی ہے البتہ اس کے اجزاء کے نام قدرے مختلف ہیں۔ ان کے ہاں پوری نظم کو مکاشفہ اور ہر بند کو نکتہ کہا گیا ہے۔ پہلا بند "نکتہ اول در عقدہ" پھر نکتہ دوم۔ نکتہ سوم وغیرہ آخری بند کو نکتہ در تخلص" کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں تخلص باندھنے کا التزام ملتا ہے۔

شاہ صاحب کے دیوان میں چھوٹی بڑی ہر طرح کی جکریاں ہیں جو مختلف اوزان میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں بعض صرف تین نکتوں (بندوں) پر اور بعض چھتیس نکتوں (بندوں) پر مشتمل ہیں۔ جہاں تک موضوع کا سوال ہے۔ ان کی جکریوں کا بنیادی موضوع وحدت الوجود یا

توحید وجودی کا اثبات ہے تاہم ان کے دیوان میں ایک چکری "آفرینش" کے بارے میں۔ ایک "مسائل نماز" کی تشریح میں۔ ایک میلاد النبیؐ کی مسرت میں اور ایک سید احمد کبیر رفاعی کی مدح میں لکھی گئی ہے۔ ان کے علاوہ باب لام میں ایک چکری سی حرفی کی طرز میں ہے۔ یہ اردو کی پہلی سی حرفی ہے۔

شاہ صاحب کا کلام وحدت الوجود اور فلسفہ ہمہ اوست کا ترجمان ہے وہ وحدت الوجود کے قائل تھے اس لئے ہر چیز میں انھیں ذات واجب الوجود کا ظہور نظر آتا تھا۔ بقول محمود شیرانی "معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ صفات سے گزر کر عین ذات میں محو ہیں اور ان پر وصالی کیفیت طاری ہے، بشر، شجر، حجر، پھول، کلی، غنچہ غرض تمام مظاہر قدرت میں محبوب حقیقی جلوہ نما ہے اور یہ اس کے نشۂ محبت میں سرشار ہیں [۱۳] اس رنگ میں ان کے کچھ نمونے درج کئے جاتے ہیں۔

ایک سمند وہ سات کہاوے = دھونس بادل مینہہ ہو آئے
دے سمند ہو بند دکھاوے = ندیاں نالے ہو کر جاتے

کبھیں سو ہووے آپ پین ناری = رچ رچ نینوں کا جل ساری
مکھ تنبولا آپ سنوارے = آپ دکھاوے جاوے واری

سہیاں لاہور بھات پکاوے　　آپیں کھاوے آپ کھلاوے
مہندی چونٹی ہاتھوں لاوے　　کر یہ ابھرن آپ دکھاوے

باب الف کی ایک اور جکری کے کچھ بند جن میں وحدت الوجودی فکر و خیال کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔

مرگ اچھر ہو مندر مارڑی　　ہور جے اس میں بدیاں باڑی
مانک موتی، سنکھ ہنکارا　　ای سب بھیس پیا کا پیارا

کبھیں ہو لیاوے بھیس اکاسا　　ہو کر چندا تار نہ پاسا
دیدا اُجالا تیج بکھیرے　　روپ انپرے آپیں ہیرے

وحدت الوجود شاہ صاحب کا مرغوب موضوع ہے وہ اس فلسفے کو نئے نئے انداز سے سمجھاتے ہیں کائنات میں ذات مطلق کے سوا کسی کو وہ موجود نہیں جانتے۔ مظاہر و آثار کے برقعہ میں انھیں محبوب حقیقی کی ذات نظر آتی ہے۔ اپنی اس کیفیت کو وہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ مختلف تمثیلوں کے ذریعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

جاوہر اس میری ساتھی کی ہوں جگ کے بھیس ہو آؤں۔

کہیں سورا جا کہیں سو پرجا کہیں سو بندہ آپ کہاؤں
کہیں سو عاشق ہو کر آؤں کہیں سو عارف ہوئے پچھانوں
کہیں موحد کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں نہ جانوں
بھیس بندوں کے کروں سو بندگی اور بہا ہو ہو نماز گزاروں
ہوں حاجی ہوں کعبہ آہوں۔ آپیں آپس اوپر واروں

جہت کی میلیں کہاں سو بہرا — وہی سو نوشہ وہی سو سہرا
ذات وہی اور صفت سو سوے — بیتے دیکھا جوے جو سے
ذات صفات تہوں ابھرا وے — لوڑہ لہر جیو سمندی آوے
لوگ ایانا بھید نہ پاوے — لہر لہر منہ سمند دکھاوے

جواہر اسرار اللہ" میں باب الف کی ایک جکری میں شاہ صاحب نے شطرنج کے کھیل کی تمثیل بیان کی ہے۔ اس میں انہوں نے، بساط، اور مہروں۔ رخ۔ فرزیں۔ اور شہ وغیرہ کے بلیغ استعاروں کے ذریعہ کون و مکاں۔ جبر و قدر اور حوادث و تغیرات کی ہمہ اوستی تعبیرات پیش کی ہیں۔ کچھ بند ملاحظہ ہوں۔

آپیں اپس سیتی کھیلے — ناتوں سو مہروں اور میلے

ہو شہ فرزیں آپیں آیا — مہرے ہو کر بھیس سجر آیا۔

گھوڑے ہاتھی آپ کہایا = ہر رُخ پیادے ناؤں دھرایا
فرزیں بند شد ایسی کیتی = بات سبھائی ہم سر دیتی
چال سو ونہ رخ آپیں چالی = یوں سو منجہ تجہ اوپر گھالی

کہیں سو آپیں بر دکھراوے — کہیں سو ضد ہو آپ بندھاوے
کہیں سو پیادے مات سو کھاوے — آپیں ہارے آپ جتاوے

جیساکہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کا فلسفہ شاہ صاحب کے یہاں طرح طرح سے اظہار کی راہ پاتا ہے۔ لیکن ہر مرتبہ وہ اس میں ایک نیا رنگ اور ایک نئی کیفیت پیدا کرتے ہیں کبھی وہ عاشق ہیں اور خدا معشوق ہے۔ اور کبھی وہ معشوق ہیں اور خدا عاشق ہے۔ وہ اپنی محبت کو نت نئے روپ سے جتاتے ہیں۔ ذیل میں ان کی ایک جکری کے کچھ بند نقل کیے جاتے ہیں۔ جو بھگتی گیتوں کے رنگ میں ہیں۔ طرز کلام ہندی شعراء کا سا ہے۔ یعنی خطاب عورت کی طرف سے ہے۔

سدا سہاگن ہوں شہ کیری — کس نبو کی ہمسس میری
جب شہ راتا منجہ گل لاگا — لال ہوئی یوں لہیا سہاگا
ہوں منجہ رماؤں لوک بدیتی — جیری سہاگن سوئیں کیتی

منجہ پیو ناؤں انپڑا دیتا — کہیا شاہ علی جیو میٹھا
منجہ تجہ ما نہیں بہترا ناہیں — جن توں دیکھیا دیٹھا سائیں

ان جکریوں میں شاہ صاحب نے اپنی قلبی کیفیات ۔ وجدانی احساسات عرفان ذات کے مسائل اور صوفیانہ تجربات کا اظہار کیا ہے۔ ان سب کا اصل توحید وجودی ہے۔ باب جیم کی ایک جکری میں کہتے ہیں ۔ چاند کے جگمگاتے گھونگھٹ میں ذات الوجوب ہی جلوہ فرما ہے۔

چاند وہی ایک پھر پھر آوے — لوگ اپانا بھید نہ پاوے
چکہ مکھہ گھونگھٹ کھول دکھاوے — بیجا تیجا چاند کہاوے
پونم پورا لٹکا لائے — نیسا کھی نانوں آپ دھراوے
چھپ چھپ ادکا پرگٹ ہووے — آپناں چند نا آپیں جوڑے
آپیں کاجیں آپ سنوارے — چاند بن دیپا الا اجھارے

شاہ علی جیو کا کلام گوجری زبان میں ہے ۔ یہ دسویں صدی ہجری کی اردو کا بہترین نمونہ ہے ۔ زبان کی قدامت اور گجراتی زبان کے الفاظ کی ملاوٹ کی وجہ سے یہ کافی عیسر الفہم ہے ۔ زبان کی اس قدامت اور غرابت کے باوجود ان کے کلام کے جو حصے سادہ اور آسان ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں حقائق و معانی کے سمندر میں غواصی کر کے معرفت کے دریائے آب دار نکالے اور انہی موتیوں کو جکری کی مالائیں پرو رہے ہیں ۔ ان کی شاعری کا مزاج ہندوستانی ہے ۔ ان کے کلام پر ہندوستانی اسلوب

وآہنگ۔ ہندو اسطور و روایت کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔

بھیس بھرا کرشنہ یوں آیا   سودھن لوڑے تجہ گل لایا

توں سوں اپس کرے چھپایا

آج پیا تجہ جان نہ دیسوں   پائے پڑے گل لاگ رہی سوں

ہو کر یکا میک ملی سوں

شاہ علی محمد جیو گام دھنی ایک مست الست صوفی تھے ان کا سارا کلام عشق و معرفت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ جکریوں میں انھوں نے وجودی فلسفے کی روشنی میں ذات واجب الوجود کے اسرار کھولے ہیں۔ یہ جکریاں ان کے روحانی تجربات۔ مکاشفات ومشاہدات اور مغائبات کا عطر ہیں۔ ان میں انھوں نے توحید وجودی کے اثبات اور اس کی تفہیم کے لئے عقلی و نقلی دلائل و براہین بھی دیئے ہیں اور تمثیلات و حکایات سے بھی کام لیا ہے۔ معنی وکیفیت کے اعتبار سے یہ جکریاں فی الواقع "جواہر اسرار اللہ" ہیں اسی لئے اللہ کے کلام کو "مراۃ احمدی" کے مصنف نے ایران کے مشہور ہمہ دوستی شاعر محمد شیریں مغربی کے دیوان کے ہم پلہ قرار دیا تھا [۵]

شاہ صاحب کے دیوان "جواہر اسرار اللہ" کے قلمی نسخے ہندوستان اور پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے ــــ

۱ : کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری) دو نسخے ۱۶ھ

۲ : کتب خانہ نواب سالارجنگ تین نسخے ۱۷ھ

۳ : ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ایک نسخہ ۱۸ھ

۴ : کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) ایک نسخہ ۱۹ھ

۵ : کتب خانہ پروفیسر نجیب اشرف ندوی ایک نسخہ

۶ : کتب خانہ آغا حیدر حسن ایک نسخہ

۷ : عجائب خانہ (باغ عامہ حیدرآباد) ایک نسخہ ۲۰ھ

۸ : کتب خانہ مرکزی یونیورسٹی حیدرآباد ایک نسخہ

۹ : انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) کے کتب خانہ خاص میں شاہ علی جیو گام دھنی کے دیوان کے پانچ قلمی نسخے محفوظ ہیں جن کا تعارف افسر صدیقی امروہوی نے "مخطوطات انجمن" جلد دوم و چہارم میں کرایا ہے۔ ۲۱ھ

۱۰ : مذکورالصدر فہرست کی اطلاع کے بموجب جواہر اسرار اللہ کا ایک مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی زینت ہے۔ ۲۲ھ

۱۱ : ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے انکشاف کیا ہے کہ پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے ذخیرہ گیرٹ میں جواہر اسرار اللہ کے دو مخطوطے محفوظ ہیں ۲۳ھ

یہ فہرست حتمی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ہند و پاک کے کسی کتب خانے یا کسی نجی ذخیرے

سے شاہ صاحب کے دیوان کے مزید نسخے برآمد ہوں

شاہ بہاء الدین باجن ۔ قاضی محمود دریائی اور شاہ علی محمد جیو گام دھنی گجرات کے مشہور اور اہم جکری نویس شعراء ہیں ۔ اس تثلیث میں شاہ باجن کی جکریوں میں واعظانہ رنگ اور بزرگانہ اسلوب نظر آتا ہے ۔ ان کے اشعار "پند پیر دانا" کا انداز لئے ہوئے ہیں قاضی محمود دریائی کی جکریوں پر عشق کے سوز و گداز ۔ ہجر کی آگ اور درد و جلن کی کیفیت غالب ہے ۔ ان کے اشعار "وز جدائی ہا شکایت می کند" کی تصویر ہیں ۔ شاہ علی جیو کا رنگ دونوں سے مختلف و منفرد ہے ۔ ان کی جکریوں میں وصل کا نشہ و کام عاشق کی سرمستی اور البیلا پن پایا جاتا ہے ۔ ان کے اشعار "من تو شدم تو من شدی" کے آئینہ دار ہیں ۔ لہجے کی گھلاوٹ ۔ خود فراموشی کے احساس اور نور حضور کی کیفیت نے ان کے کلام کی حلاوت اور تاثیر میں چند در چند اضافہ کیا ہے ۔

شاہ علی جیو کا دیوان کئی جہات و ابعاد سے محققینِ زبان و ادب کے لئے کشش اور اہمیت کا سامان رکھتا ہے ۔ گجری بولی کے لسانی حوالے ۔ تصوف و معرفت کے گہرے رنگ اور جکری جیسی متروک صنف سخن کی روایت کے تسلسل کا ایک حصہ ہونے کی حیثیت سے ان کا دیوان لسانیاتی ۔ تہذیبی اور ادبی سطح پر ہمیشہ مطالعہ و مباحثہ کا موضوع بنا رہے گا ۔

—:O:—

کتابیات

۱۔ حافظ محمود شیرانی ، پنجاب میں اردو ، لکھنؤ سنہ ۱۹۸۱ء ص ۱۶۳

۲۔ ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی ، سخنورانِ گجرات ، دہلی سنہ ۱۹۸۱ء ص ۵۹

۳۔ عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری ، تذکرہ اولیائے دکن حصہ اول ص ۴۹۴

۴۔ حافظ محمود شیرانی ، مقالاتِ شیرانی ، جلد اول لاہور سنہ ۱۹۶۶ء ص ۱۷۹-۱۷۸

۵۔ تذکرہ اولیائے دکن ، حصہ اول ص ۴۹۰

۶۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی ، علیگڑھ تاریخ ادب اردو ، علیگڑھ سنہ ۱۹۶۲ء ص ۱۰۹

۷۔ مقالاتِ شیرانی ، جلد اول ص ۱۷۹ ص ۳۴۱

۸۔ ایضاً ۔ ڈاکٹر افسر صدیقی امروہوی ، مخطوطاتِ انجمن جلد دوم ، کراچی سنہ ۱۹۶۷ء

۹۔ مقالاتِ شیرانی ، جلد اول ص ۱۷۳

۱۰۔ ڈاکٹر الف ۔ د ۔ نسیم ، تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند
جلد ششم لاہور سنہ ۱۹۷۱ء ص ۲۱۶ ـ ۲۱۵

۱۱۔ سخنورانِ گجرات ص ۵۰

۱۳۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی، شاہ بہاء الدین باجن۔ حیات اور گجری کلام
مصنفہ ڈاکٹر شیخ فرید احمد آباد ۱۹۹۲ء مقدمہ ص ۱۵ - ۱۴
۱۴۔ شاہ علی جیو گام دھنی، جواہر اسرار اللہ، (قلمی نسخہ) مخزونہ اورینٹیل
مینو سکرپٹ لائبریری حیدر آباد مخطوطہ نمبر ۱۶۶۹
۱۵۔ مقالات شیرانی، جلد اول ص ۱۷۸
۱۶۔ نصیر الدین ہاشمی، "فہرست آصفیہ" جلد دوم حیدر آباد ۱۹۶۱ء
ص ۱۸۵ - ۱۸۲
۱۷۔ " " " وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد ۱۹۵۷ء
ص ۱۷۶ - ۱۷۴
۱۸۔ محمد اکبر الدین صدیقی۔ ڈاکٹر محمد علی اثر، تذکرہ مخطوطات۔ جلد ششم
حیدر آباد ۱۹۸۳ء ص ۱۴
۱۹۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، اردو شہ پارے، حیدر آباد سنہ ص ۱۴
۲۰۔ تذکرہ مخطوطات جلد ششم ص ۱۴
۲۱۔ افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن جلد دوم کراچی ۱۹۷۶ء ص ۳۳۹
و نیز مخطوطات انجمن جلد چہارم کراچی ۱۹۷۶ء ص ۶۷-۶۶ اور ۱۵۶ - ۱۵۴
۲۲۔ مخطوطات انجمن جلد دوم ص ۳۴۱
۲۳۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، مضمون، ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے کتب خانوں
میں اردو مخطوطات، مشمولہ سہ ماہی اردو ادب دہلی شمارہ ۲ سنہ ۱۹۶۲ء ص ۹۲